جلد 14 شمارہ 7 جون 2012ء رجب 1433ھ

ماہنامہ

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الأَرْضِ إِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَیَعْلَمُ
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا کُلٌّ فِی کِتَابٍ مُّبِیْنٍ

(ھود۔6)

ترجمہ

زمین پر کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اِسکا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

وہ اس کے مستقل اور عارضی ٹھکانے کو جانتا ہے۔

سب کچھ کتاب روشن میں ہے۔

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لیے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph: 055-3862835
055-4005431

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ -/30 روپے
سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

دنیا کے دیگر علوم کے برعکس تصوف میں عمل پہلے کیا جاتا ہے اور علم بعد میں حاصل ہوتا ہے۔ اس بات سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ تصوف میں بنیادی علم کی ضرورت ہی نہیں۔ تصوف میں بھی بنیادی نوعیت کا فہم بہت ضروری ہے۔ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سالکین راہ کیلئے فقرِ غیور و تصوف کے بارے میں مفصل اور جامع انداز میں سیر حاصل تعلیمات مرتب کردی ہیں۔

بظاہر معمولی گزارشات میں دوررس باتیں نہایت ہی آسان پیرائے میں احاطہ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ اسی لئے سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ تمام مریدین کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ بانیٔ سلسلہ کی کتب کے مطالعہ کو اپنے روزمرہ کا معمول بنا کر باقاعدگی سے جاری رکھیں۔ جو مریدین سلسلہ اس ہدایت پر عمل کرتے ہیں وہ تعلیمات کی اصل روح کو پاکر اس کے ثمرات سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

کئی لوگ سالہا سال تک سلسلہ توحیدیہ میں طالب رہ کر عمومی فیض حاصل کرتے رہتے ہیں، وہ نہ تو مرید اور طالب میں فرق کو محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی بیعت کی اہمیت سے واقف ہوتے ہیں، اسی طرح کئی لوگ مرید ہو جاتے ہیں مگر سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم اور قواعد و ضوابط پر عمل نہیں کرتے اور خوامخواہ اپنا نقصان کرتے ہیں، بعض دفعہ تو اپنے نقصان کے سبب تک سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ بانیٔ سلسلہؒ نے واضح لکھا ہے کہ

"ذکر اذکار اور دوسرے قواعد و ضوابط کی پابندی کے لحاظ سے طالب اور مرید میں زیادہ فرق نہیں ہے، صرف یہ فرق ہے کہ مرید کی نسبت شیخ کے ساتھ بہت قوی ہو جائے گی اور اس کو زیادہ فیض پہنچے گا، لیکن اگر وہ سلسلے کے قواعد کی پابندی بیعت ہونے کے بعد بھی نہیں کرے گا تو وہ نقصان اٹھائے گا۔"

بعض مریدین سلسلہ طریقت توحیدیہ میں بتائے گئے نفی اثبات، پاس انفاس، فرض ونوافل نمازیں اور تلاوت قرآن پاک میں خود کمی بیشی کر لیتے ہیں اور عرصہ دراز تک اسی جزوی تعلیم پر عمل کر کے ان کمال درجات کے خواہاں ہوتے ہیں جو تعلیمات پر مکمل اور متوازن انداز سے عمل کرنے والوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ تمام بیان کردہ ذکر اذکار کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ صرف ذکر پاس انفاس کرنا یا صرف ذکر نفی اثبات کرنا، ذکر باقاعدگی سے نہ کرنا، ذکر باقاعدہ کرتے ہوئے اس میں ناغہ کرنا، ہفتہ وار ذکر نفی اثبات کو ہی سب کچھ سمجھ کر شریک ہونا جیسے معاملات تعلیمات کے برعکس ہیں۔

روزانہ ذکر نفی اثبات رات کی نمازوں یعنی فجر، مغرب، یا عشاء میں سے کسی ایک کے بعد کیا جاتا ہے، اس میں اوّل چند مرتبہ درود شریف، پھر ذکر نفی اثبات ایک تسبیح سے دس تسبیح تک جتنا دل چاہے، دوبارہ چند مرتبہ درود شریف، شجرہ خاندان عالیہ توحیدیہ، موجودہ شیخ سلسلہ سے چار پانچ منٹ توجہ، ختم شریف و ایصال ثواب، اور پھر دُعا۔ اس ذکر کیلئے ضروری ہے کہ کافی عرصہ تک یعنی کم و بیش تین سال یہ ذکر ایک ہی مقررہ وقت اور جگہ پر کیا جائے۔ ذکر کا پورا فائدہ اسی حالت میں پہنچ سکتا ہے جب نفی کے وقت دماغ بالکل خالی ہو، کوئی خیال دماغ میں نہ رہے، اور اثبات کے وقت صرف اللہ کا خیال ہو۔ یہ تو ہے روزانہ ذکر کی تعلیم۔ اس تعلیم کے باوجود روزانہ نفی اثبات کے ذکر میں شجرہ خاندان عالیہ توحیدیہ، ختم شریف نہ پڑھنا، اور ایصال ثواب کیے بغیر دعا مانگ کر اُٹھ کھڑا ہونا، اور یہی معمول روا رکھنا صحیح طرز عمل نہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ سلسلہ توحیدیہ میں تعداد کی بجائے معیار کو فوقیت دی گئی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ کم از کم تعداد بھی اگر بیان ہوئی ہے تو ہمیں اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ فرض اور نفل نماز بھی بیان کردہ ذکر میں شامل ہیں۔ نماز سے بعض دفعہ جذب و سرور میں کمی واقع ہوتی ہے۔ بانیٔ سلسلہؒ نے واضح لکھا ہے کہ یہ لطف و سرور ہے یا جائے، نماز ہرگز ہرگز نہیں چھوڑنی چاہیے۔ فرض نماز تو فرض ہے

بانیٔ سلسلہؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ روحانیت میں کمال نوافل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ حلقۂ ذکر کے بارے میں ہدایات تو یہ ہیں کہ یہ کسی بند کمرے یا مکان میں کیا جائے، مسجد یا کھلی جگہ پر ہرگز نہ کیا جائے۔ حلقۂ ذکر کو ان تعلیمات کی روشنی میں مسجد میں ہونے والے کسی دینی جلسہ یا میدان میں ہونے والے کسی سیاسی پروگرام سے کوئی مماثلت یا مشابہت نہیں دینا چاہیے اور حلقۂ ذکر کے بعد خوب گپ شپ کی جائے، حلقۂ ذکر کا توحیدی رنگ میں ہونا ہی اس کا اصل حسن اور خوبی ہے۔

سلسلہ توحیدیہ میں جذب کی حرارت، اور کیف و سرور بہت جلد پیدا ہو جاتا ہے۔ جذب کے بارے میں بانیٔ سلسلہؒ نے واضح کیا ہے کہ جذب نیکی اور برائی دونوں کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جذب کے ساتھ نماز کی پابندی اور اخلاق کی پاکیزگی انسان کو اللہ تعالیٰ کے قرب و لقاء اور عرفان کے راستے پر قائم رکھتے ہیں۔ جذب مطلوب سے زیادہ بڑھ جائے تو ذہن کو مغلوب کر دیتا ہے، ایک متحرک اور فعال زندگی کیلئے اسے مناسب حد تک اور کنٹرول میں رکھا جاتا ہے۔

مُرشد سے ملنے والی روحانی توجہ ایک زندہ و بیدار قوت ہے جو اچھے اخلاق کے حامل، کبائر سے بچنے والے، اور ذکر نفی اثبات و پاس انفاس باقاعدگی سے کرنے والوں کو بہت جلد محسوس ہونے لگتی ہے۔ تعلیمات توحیدیہ بتاتی ہیں کہ اگر کچھ عرصہ تک توجہ کا اثر محسوس نہ ہو تو مرشد کی بے پرواہی کا شکوہ کرنے کی بجائے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے، ایسی صورتحال میں سالک نماز یا ذکر میں کوتاہی کر رہا ہوتا ہے یا اسے اپنے اخلاق کا مناسب درجہ تک تزکیہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے معمولات ذکر و فکر اور تصوّف کی اصل روح کو سادہ پیرائے میں آشکار کیا ہے، آپؒ کی تصانیف تصوّف کے بارے میں بنیادی علم اور فہم کا بیش قیمت اور بے مثال سرمایہ ہیں، ان سے کماحقہ فائدہ انہیں لوگوں کو پہنچتا ہے جو پورے ذوق و شوق اور دلجمعی سے عمل پر کاربند رہتے ہیں۔ جو زیادہ عمل کرتے ہیں انہیں زیادہ اور جو کم محنت کرتے ہیں انہیں کم فائدہ نصیب ہوتا ہے۔ جو خود تو کچھ نہیں کرتے مگر مرشد سے ایک نظر میں

کامل بنادینے کی امید روا رکھتے ہیں، ان کیلئے صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے، ایک نظر میں کامل بنادینے کی مرشد کی عطا سے تو انکار نہیں مگر سلسلہ توحیدیہ میں مروّجہ طرز عمل اس سے ذرا مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات کو سمجھ کر ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین کی اطلاع کیلئے عرض گزار ہوں کہ سالانہ کنونشن ۲۰۱۲ء کے موقع پر مجلہ فلاح آدمیت کے کچھ امور جناب خالد محمود بخاری صاحب کی نگرانی میں حلقہ توحیدیہ ملتان کو تفویض کیے گئے ہیں۔اس اہم تبدیلی سے ہم مجلہ فلاح آدمیت کے مندرجات، اور معیار میں نمایاں بہتری کی امید رکھتے ہیں۔انشاءاللہ آپ اس تبدیلی کے اثرات کو محسوس کریں گے۔اب آپ اپنی قیمتی تجاویز، آراء، اور مضامین مرکز تعمیر ملت کے علاوہ براہ راست ملتان کے ایڈریس پر بھی ارسال کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اس تبدیلی کو باعث برکت بنائے اور پرعزم نئی ورکنگ ٹیم کو استقامت، اپنی تائید، اور نصرت عطا فرمائے۔آمین!

والسلام!

احمد رضا خان

مدیر

درسِ قرآن

سید قطب شہیدؒ (ترجمہ: مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ الرِّبَا أَضْعَافاً مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ O وَاتَّقُواْ النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ O وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ O وَسَارِعُواْ إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ O الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاء وَالضَّرَّاء وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ O وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ اللّهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ O أُوْلَـئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (آل عمران۔136-130)

"اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ نجات حاصل ہو اور دوزخ کی آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو آسودگی اور تنگی میں اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے اور جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے، ایسے لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور اچھے کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔"

محولہ بالا آیات میں قرآن کریم سود اور سودی معاملات کے بارے میں گفتگو فرماتا ہے اور اللہ کی اطاعت اور اسکے رسول کی اطاعت کی تلقین کرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں راہِ خدا میں خرچ کرو تا کہ قابلِ نفرت سُودی نظامِ معیشت کے بالمقابل ایک پاکیزہ اور صاف ستھرا نظامِ تعاون معاشرے میں جاری ہو اور غصہ کو دباؤ، لوگوں کو معاف کرو اور لوگوں میں نیکیوں اور اچھائیوں کو فروغ دو۔ اور اللہ سے اپنی خطاؤں پر معافی مانگتے رہو اور گناہوں پر اصرار نہ کرو۔ نظامِ اسلامی نفس کے تمام پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر اس کی اجتماعی زندگی کی تنظیم کرتا ہے اور اس کی یہ تمام مجموعی قوت، نفوس کی تطہیر اور قلوب کی لطافت میں صرف ہوتی ہے، اہواء اور شہوتوں پر غلبہ حاصل کرنے کے عمل میں مدد دیتی ہے اور معاشرے میں محبت اور درگزر کی فضاء پیدا کرتی ہے۔

سودی نظامِ معیشت کی خرابی

سورۂ بقرہ میں ہر طرح کے سود کے متعلق قطعی حکم موجود ہے اور بغیر کسی قید اور تحدید کے فرمادیا گیا۔ **وذروا ما بقي من الرّبوا ٥ اضافاً مضاعفه** (دوگنا اور چوگنا سود در سود) کے الفاظ بیانِ واقع کے طور پر ہیں شرطِ حرمت کے طور پر نہیں ہیں۔ سودی شرح خواہ کوئی بھی رائج ہو یہ اضعافاً مضاعفہ سودی نظام کی ایک لازمی خصوصیت ہے کیونکہ <u>سودی نظامِ معیشت مال کی ہر گردش کو سودی بنادیتا ہے</u> اور تمام مفرد اور مرکب سودی اعمال سود در سود کا ایک کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ قائم کردیتے ہیں۔ غرض سود در سود ہونا سودی نظام کی ایک لازمی خصوصیت ہے اور اس کی خصوصیت ہر زمانے اور ہر دور میں اس کے ساتھ پیوست رہتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ عرب کا سودی نظام تو سود در سود تھا مگر اس کے بعد کوئی نظام یا آج کل کا نظام سود در سود نہیں۔ سودی نظامِ معیشت ایک جانب انسان کی نفسیاتی اور اخلاقی زندگی کو تباہ کرتا ہے اور دوسری جانب اس کی اقتصادی اور سیاسی زندگی میں بگاڑ پیدا کردیتا ہے اور اس طرح انسان کی مجموعی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ جماعت مومنین کو نفسیاتی اور اخلاقی لطافت کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور سیاسی زندگی کو بھی لطافت حاصل ہو۔ سود کی ممانعت کا ذکر اسلام کے جامع اور مکمل نظام کے ہمہ گیر پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ اس کے فوراً بعد تقویٰ کی تلقین کی گئی ہے۔ جو انسان اللہ سے ڈرتا ہو اور جو انسان نارِ جہنم سے ڈرتا ہو وہ ہرگز سود نہیں کھائے گا اور وہ انسان بھی سود نہیں کھائے گا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور وہ اپنے آپ کو کافروں کی ٹولی سے جدا رکھنا چاہتا ہو۔

ایمان زبان سے ایک کلمہ کا کہہ دینا نہیں ہے بلکہ اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر گامزن ہوجانے کا نام ہے۔ ایمان زندگی کے گزارنے کے ایک اسلوب اور ایک طریقہ کا نام ہے اور ایمان انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ایک منہاج پر استوار کر لینے کا نام ہے۔ یہ بات ناممکن ہے کہ ایمان اور سودی نظام یکجا ہو سکیں۔ جہاں سودی نظام ہوگا وہیں اللہ کے دین سے خروج ہوگا۔ یہاں سود کی ممانعت اور تقویٰ الٰہی کی دعوت کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح کامیابی اور کامرانی کو سود کے چھوڑ دینے اور اللہ کا اختیار کرنے سے وابستہ کیا گیا ہے اور کامیابی کو دنیا میں نظام الٰہی کے عملاً برپا کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا عمل نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔

سود کی ممانعت کے بعد اس حکم کی آمد کا مطلب یہ ہے کہ جس معاشرے میں سودی نظام جاری ہو اس معاشرے میں اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت نہیں کی جارہی ہے اور جو انسان سود کسی بھی شکل میں کھا رہا ہے اس کا دل اطاعت الٰہی سے خالی ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

متقین کی صفت ہے کہ وہ ہر تنگی کی کیفیت اور ہر فراخی کی حالت میں راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں نہ تو فراخی اور خوشحالی ان میں تکبر پیدا کرتی ہے اور نہ ہی تنگی کی حالت سے ان کے دل تنگ ہوتے ہیں ان کے دلوں میں اسی وجہ سے حرص و لالچ پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی طبیعتوں میں بخل اور کنجوسی راہ بناتی ہے۔ بلکہ وہ ہر حال میں ہر موقع پر حکم الٰہی کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں

اور تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھتے ہیں کیونکہ تقویٰ ہی انہیں بخل اور حرص سے محفوظ رکھتا ہے اور انہیں راہِ خدا میں خرچ کرتے رہنے پر آمادہ کرتا ہے جس کی بناء پر ان کی روح ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے اور انکی روحانیت اور شفافیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

غصہ کو پی جانا اور درگزر کرنا

غصہ نفس انسانی کے موثرات میں سے ہے اور ایک ایسا فعل ہے جس کے ساتھ یا اسکے بعد جسم کا خون جوش میں آتا ہے اور تقویٰ کی شفافیت اور اس سے پیدا ہونے والی روحانیت سے آدمی اس پر غالب آجاتا ہے۔ مگر قرآن کا یہ منشاء نہیں ہے کہ صرف غصہ کو دبا لیا جائے کہ اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے اور دبا ہوا غصہ انسان کے اندر کی دنیا کو جھلس دیتا ہے۔ اس لئے تقویٰ شعار لوگ نہ صرف غصہ دباتے ہیں بلکہ جس پر غصہ آتا ہے اسے معاف کر دیتے ہیں اور اس معافی سے غصہ کے تمام غیر پسندیدہ اثرات زائل ہو جاتے ہیں اور قلب میں نورانیت اور ضمیر میں سلامتی اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ احسان (عمل کی حسن کاری) کو پسند فرماتا ہے اور ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو ایسے اعمال کرنے والے ہیں اور ان کے گرد اپنی نورانی اور شفاف محبت کی فضاء قائم کر دیتا ہے اور اللہ اس جماعت کو محبوب رکھتا ہے جو غصے کو پی جانے والی اور درگزر کرنے والی اور ہر کینہ اور میل سے پاک ہو۔ جماعت کے تمام افراد اس محبت الٰہی کی فضاء میں باہم دگر بھائی ہوں اور زندگی کے ہر میدان میں اور عمل کی ہر جولان گاہ میں اپنی انہی صفات کو بروئے کار لاتے ہوں۔

متقین کا ایک اور وصف

جب اللہ کے بندے کوئی کھلا گناہ کر بیٹھتے ہیں تو اللہ انہیں دھتکارتا نہیں دیتا بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ فرماتا ہے اور ان پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اللہ کے ڈرنے والے بندے اسے (ذکر) یاد کرتے ہیں اور اس سے گناہ کی معافی کے خواستگار ہوتے ہیں تو اللہ نہ صرف یہ کہ ان کے

گناہ معاف کردیتا ہے بلکہ انہیں متقین کی صف میں شامل کردیتا ہے بشرطیکہ گناہ پر اصرار نہ کریں اور معصیت پر جمے نہ رہیں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا ہے کیونکہ انسان کی کمزوری اور بشری ضعف کے تحت انسان کبھی کبھی گناہ کا بھی ارتکاب کرلیتا ہے، کبھی شہوتوں میں بھی گھر جاتا ہے، کبھی خواہش نفس بھی اس پر غالب آجاتی ہے اور کبھی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ مگر ان لمحات میں بھی اللہ سبحانہ، اپنے بندے کو دھتکارتا نہیں بلکہ توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اپنے سایہ رحمت میں لے لیتا ہے۔

مومن کے نفس میں شمع ایمان ہر وقت روشن رہتی ہے اگر وہ کسی وقت خطا کا مرتکب ہوتا ہے اور ضعف بشری کی بناء پر اس سے کوئی لغزش سرزد ہوجاتی ہے تو اس کا اپنے ربّ سے رابطہ بالکل منقطع نہیں ہوتا بلکہ یہ رابطہ اور تعلق برقرار رہتا ہے مومن توبہ کے بعد از سر نو پیمانِ عبودیت باندھ لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور مغفرت کا دروازہ کبھی بند نہیں کرتا بلکہ خطا کار کی طلبِ مغفرت اور توبہ کی جانب راہنمائی کرتا ہے اور اپنے دامانِ رحمت میں لے لیتا ہے بشرطیکہ خطا کار بندے کا دل سخت نہ ہوگیا ہو اس کے نفس میں روشن ایمان کی شمع بجھ نہ گئی ہو اور اس کا ضمیر تاریک نہ ہوگیا ہو۔ اگر کسی بچے سے کوئی لغزش ہوجائے اور وہ یہ سمجھے کہ لامحالہ سزا ہی اس کی منتظر ہے تو وہ کوشش کریگا کہ باپ کے سامنے آنے سے گریز کرے لیکن جس بچے کو یہ توقع ہو کہ اس کا باپ شفقت کے ساتھ پیش آئے گا تو وہ یقیناً لوٹ کر باپ ہی کے پاس آئے گا۔ اسلام بھی کمزور اور ضعیف انسان سے ایک بچے کا سلوک کرتا ہے کہ کمزوری کے لمحات میں اسکو تھام لیتا ہے اور اسے شاہراہ ترقی پر گامزن کردیتا ہے اور اس کی دست گیری کرتا ہے۔ جہاں انسان میں نور کی شفافیت ہے وہاں اس میں جسم کا ثقل بھی ہے اور جہاں اس میں حیوانی جذبات ہیں وہاں اس میں نور کی کرنیں بھی پھوٹتی ہیں۔

تقویٰ شعار لوگوں کا معصیت پر استغفار کرنا، ان کا تنگی اور خوشحالی میں انفاق کرنا اور ان کا غصے کا پی جانا اور لوگوں سے درگزر کرنا ایک اختیاری عمل ہے اور اس پر انہیں صلہ بھی ملے گا اور وہ صلہ ہے ربّ کی طرف سے مغفرت اور جنت۔

مقامات و کیفیاتِ سلوک

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نقشبندی، مجددی، توحیدی)

سلوک کے لفظی معنی ہیں سفر کرنے کے، لیکن تصوف کی اصطلاح میں سلوک کہتے ہیں روح کے سفر کو جو وہ سالک کی ذات سے خدا کی ذات تک طے کرتی ہے۔ روح اس سفر میں کن کن طبقات و عوالم میں سے گزرتی ہے اور کیا کیا کچھ دیکھتی یا محسوس کرتی ہے۔ اور روح کی ماہیئت کیا ہے اور وہ کس شکل میں یہ سفر طے کرتی ہے۔ روح کا سفر اس مادی عالم یعنی کرۂ زمین سے شروع ہو کر عرش کبریا پر اس جگہ ختم ہوتا ہے جہاں سالک کو اللہ کی ذات بحت کا عرفان ہوتا ہے جس میں نہ کوئی رنگ و بو ہے، نہ امتداد ہیں نہ کوئی صفت ہے اور جس کی بابت وہ خود قرآن میں ارشاد فرماتا ہے **سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ** ۔ ترجمہ (پاک ہے وہ ذات تمام صفات سے)

اس سفر میں کرۂ زمین سے چل کر سب سے پہلے دوزخوں کا طبقہ آتا ہے، اس کے بعد اعراف ہے پھر جنتوں کے طبقات شروع ہوتے ہیں جن میں پہلا عالمِ ملکوت کہلاتا ہے، دوسرا جبروت تیسرا لاہوت، چوتھا ہاہوت اور پانچواں ھو۔

دوزخ کے طبقات سے عالم ھو کے آخر تک عالم مثال کہلاتا ہے اس کے بعد **عالمِ اَمر** شروع ہوتا ہے جس میں بے شمار لطائف ہیں مگر قابل ذکر صرف یہ لطائف ہیں۔ پہلے لطیفہ عدم ہے پھر لطیفہ نفس، پھر لطیفہ عقل اور اس کے بعد لطیفہ روح ہے۔ ان لطائف سے آگے حوالی عرش کا علاقہ ہے پھر عرش مجید ہے، جس کے عین مرکز میں سالک کو ذات بحت کا مشاہدہ اور عرفان ہوتا ہے۔ اسی جگہ سالک کا سفر روح ختم ہو جاتا ہے اور وہ عارف کامل اور ولی مکمل بن جاتا ہے۔ یہاں یہ بات ضرور یاد رکھیئے کہ ہر سالک جو یہ سفر شروع کرتا ہے ذات بحت تک نہیں پہنچ سکتا۔ لاکھوں میں سے ایک دو کو یہ درجہ اور سعادت نصیب ہوتی ہے۔

باقی سالکوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام محمود تک پہنچ کر رک جاتا ہے۔کسی کا مقام محمود ملکوت میں ہوتا ہے، کسی کا جبروت میں کسی کا ہاہوت میں اور کسی کا ھُو میں۔

اب کچھ تھوڑا سا حال ہر ایک طبقہ کا بیان کیا جاتا ہے تا کہ قارئین کے دماغ میں ایک نقشہ یا خاکہ ان تمام طبقات کا قائم ہو جائے اور جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس کے سمجھنے میں مدد ملے۔کرۂ زمین کی اشیاء کا علم یا احساس ہم کو حواس خمسہ کے ذریعے ہوتا ہے لیکن یہاں خالص مادی اشیاء کے علاوہ فضا میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا علم ہم کو عقل و تجربہ سے حاصل ہوا ہے مثلاً سب سے پہلے تو ہوا ہے اور اس میں بھی کئی گیسیں اور پانی ہے، کئی طرح کی شعاعیں اور لہریں ہیں مثلاً وائلٹ ریز، ریڈیائی لہریں اور مائیکروویز وغیرہ،ان کے علاوہ مقناطیسی لہریں یا قوت کشش، حرارت اور ایتھر وغیرہ بھی ہیں۔یہ سب چیزیں اس طرح ایک دوسرے کے اندر رسوئی ہوئی ہیں کہ ہر لحاظ سے ایک وجود کہلانے کی مستحق ہیں لیکن سب اپنا اپنا ایک حقیقی اور الگ وجود رکھتی ہیں اور اپنا اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔فضاء کے بعد خلاء ہے۔سائنس دان کہتے ہیں کہ خلاء میں کچھ بھی موجود نہیں ہے۔لیکن ایک مسلمان قرآن میں دی ہوئی خبروں کے مطابق اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اس فضا اور خلاء میں اوپر بیان کردہ اشیاء کے علاوہ اور بھی بے شمار چیزیں موجود ہیں۔

اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدا کی طرف سے زمین پر ہزاروں بلکہ ان گنت احکام ہر وقت نازل ہوتے رہتے ہیں اور بے شمار فرشتے جو نظام عالم کو قائم رکھنے کے لئے مقرر ہیں ان احکام کی تعمیل کرنے کے لیے ہر وقت زمین پر اترتے اور آسمان کی طرف چڑھتے رہتے ہیں۔ اس طرح بے شمار فرشتے اس فضا اور خلاء میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔اس کے علاوہ مرنے والوں کی روحیں بھی عالم روحانی یا برزخ کو جاتے ہوئے یہیں سے گزرتی ہیں۔قرآن میں ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ٥ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ٥ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ٥ وَّالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ٥ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ٥

ترجمہ: قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو غوطہ لگا کر کھینچتے ہیں اور قسم ہے ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں اور ان کی جو (فضا میں) تیرتے پھرتے ہیں پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں اور تدبیر کے ساتھ دنیا کے کاموں کا انصرام کرتے ہیں۔ ان آیات میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ فرشتے کیا ہیں؟ فرشتے خدا کے کارندے ہیں۔ یہ دراصل طاقتیں ہیں جو کائنات کا انتظام کرنے اور نظام قائم رکھنے کے لیے اللہ نے پیدا کی ہیں۔ کائنات اور ہماری دنیا کے کام بے شمار ہیں اس لیے ان فرشتوں کی قسموں اور تعداد کا بھی کوئی شمار نہیں۔ ان آیات میں مفسرین نے پہلی آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ "قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں اور گنہگاروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں"۔ دوسری آیت کی تفسیر ہے "وہ فرشتے جو مومنوں کی جان آسانی سے نکالتے ہیں"۔ بلاشبہ یہ دونوں باتیں بھی بالکل درست ہو سکتی ہیں لیکن فرشتوں کے کرنے کے لیے صرف یہی دو کام تو نہیں اور ہزاروں کام بھی ہیں۔ ہمارے اوپر ان دو آیات کے عجیب سے معنی منکشف ہوئے ہیں جواب تک کسی نے نہیں لکھے۔ پہلی آیت کا مطلب یہ کھلا ہے کہ یہاں وہ فرشتے یا طاقتیں مراد ہیں جو زمین کے چاروں طرف کی فضا میں سے غوطہ مار کر زمین کے مرکز کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی شخص بلندی سے دریا میں کودتا اور غوطہ مار کر تہہ کی طرف جاتا ہے تو آس پاس کا بہت سا پانی بھی سمٹ کر اس کے ساتھ ہی تہہ کی طرف جاتا ہے۔ بعینہ یہی حالت ان فرشتوں کے غوطہ مارنے کے وقت بھی پیش آتی ہے کہ زمین کے اردگرد فضا میں جو اور چیزیں یا طاقتیں ہیں وہ زمین کی سطح سے ٹکراتی ہیں اور یہ عمل چونکہ متواتر ہوتا رہتا ہے اس لیے زمین کی سطح پر فضا کا دباؤ ہر وقت پڑتا اور قائم رہتا ہے اور اسی کو سائنسدان کشش ثقل کہتے ہیں۔ دوسری آیت کے معنی ہماری سمجھ میں یہ آئے ہیں کہ یہ فرشتے وہ ہیں جو زمین میں بیج کو شگافتہ کرتے ہیں، پودے میں کلی کو پھول بناتے ہیں۔ پتھروں کو چٹخا چٹخا کر

ریت بناتے اور شہاب ثاقب کے مادی ایٹموں کو توڑ کر انرجی میں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔
باقی آیات کا مطلب صاف ہے کہ یہ فرشتے فضا اور خلاء میں تیرتے رہتے ہیں اور خدائی احکام جو اوپر سے نازل ہوتے رہتے ہیں ان کو وصول کرنے کے لیے دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں اور وصول کرنے کے بعد خدا کی بتائی ہوئی تدبیر کے مطابق اس کی تکمیل کر دیتے ہیں۔ زمین کے بعد دوزخ کا عالم ہے اس کی وسعت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ کوئی انسان اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ آپ چاہیں تو اسے ایک ہی طبقہ سمجھ لیں لیکن ہم نے اپنے سلوک کے دوران جو کچھ دیکھا اور سمجھا ہے عذاب کی نمایاں کمی بیشی کے لحاظ سے اس کو بہتر (72) طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ دوزخ کا عالم خالصتاً روحانی ہے، اسی وجہ سے نہ ہم کو نظر آ سکتا ہے نہ کسی اور طریقہ سے محسوس و مدرک ہو سکتا ہے۔ البتہ سالکانِ راہ طریقت کی روحیں جو عرش کی طرف جاتی ہوئی یہاں سے گزرتی ہیں تو ان میں سے اکثر اس کو دیکھتی ہیں لیکن بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو کچھ نظر نہیں آتا اور بغیر دیکھے گزر جاتی ہیں۔ ان کے سلوک کو آپ بند گاڑی یا ہوائی جہاز کا سلوک سمجھ لیجئے لیکن مُردوں کی جو روحیں عذاب کے لئے یہاں لائی جاتی ہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتی اور محسوس کرتی ہیں۔ جنتی لوگوں کی روحیں جو مرنے کے بعد جنت میں جاتی ہیں ان کو بھی دوزخ میں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن ان کو یہاں کی تکلیف کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا۔ سورہ مریم آیت 71 میں ہے

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا

ترجمہ: یعنی تم میں سے ہر ایک کو دوزخ میں جانا ہے، یہ تمہارے رب کا اٹل فیصلہ ہے)
اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ زمین اور جنت کے درمیان واقع ہے۔ یہیں سے پل صراط کا عقیدہ پیدا ہوا ہے۔

شائد کوئی کہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روح دوزخ میں سے گزرے اور اس کو تکلیف نہ ہو تو ہم اس کے جواب میں ایک بہت واضح مثال پیش کرتے ہیں۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ

روس اور امریکہ کے خلائی مسافر جب راکٹ والے جہاز میں بیٹھ کر خلاء میں جاتے ہیں تو وہاں پہنچنے کے بعد خلاء یا کبھی کبھی کمر میں رسی باندھ کر جس کا دوسرا سرا جہاز میں بندھا ہوتا ہے ،جہاز سے باہر نکل آتے ہیں اور جہاز کے ساتھ ساتھ بے تکلفی سے خلاء میں اُڑتے چلے جاتے ہیں اور ان کو مطلق کوئی تکلیف نہیں ہوتی حالانکہ جہاز ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ان کو تکلیف کیوں نہیں ہوتی ،محض اس وجہ سے کہ وہ ایک خاص قسم کا لباس (پریشر سوٹ) پہن کر خلائی سفر کرتے ہیں ۔اس لباس کی وجہ سے خلاء کے بالکل نئے اور مخالف حالات کا اثر ان کے جسم پر نہیں ہونے پاتا ۔بالکل اسی طرح جو لوگ نیکی کی زندگی بسر کرتے ہیں ان کی نیکیاں ان کے جسم کے گرد ایک ایسے لباس کی شکل اختیار کر لیتی ہیں کہ دوزخ کی آگ ان کے جسموں پر مطلق اثر نہیں کرتی ۔کیا اس سیدھی اور سچی مثال کو دیکھ کر بھی آپ اپنے لیے نیکیوں کا وہ لباس مہیا کرنے کی کوشش نہ کریں گے جو آپکو دوزخ کی آگ اور دوسری تکالیف سے محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تقویٰ کا لباس سب سے اچھا لباس ہے ۔عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ دوزخ میں ہر جگہ صرف آگ ہی آگ ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ۔ان لوگوں کا یہ خیال درست نہیں دوزخ میں تو مثلاً ہماری زمین کے چٹیل اور بنجر میدانوں ،بے برگ وگیاہ بیابانوں ،ریگستانوں اور جلے وسوکھے پہاڑوں جیسے طبقات ہیں جہاں کھانے کو خاردار جھاڑیاں اور تھوہر وغیرہ اور پینے کو سخت کڑوے اور گرم پانی کے سوا اور ہے ہی کچھ نہیں (دیکھئے قرآن اوراحادیث نبویؐ) انہی طبقات میں جابجا آگ کے بڑے بڑے قطعے بھی ہیں بالکل اسی طرح جس طرح ہماری زمین پر کہیں کہیں آتش فشاں پہاڑ ہیں ۔جن روحوں کو صرف دوزخ کی سزا ہوتی ہے وہ آگ میں نہیں ڈالی جاتیں لیکن جن کو آگ کی سزا دی جاتی ہے وہ آگ میں پھینک دی جاتی ہیں۔ بعض روحوں کو دونوں سزائیں ملتی ہیں دیکھئے سورہ البروج کی دسویں آیت جس میں بتایا گیا ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ (ترجمہ جن لوگوں نے مومنوں اور مومنات کو

تکلیفیں دیں اور پھر توبہ نہیں کی تو ان کو دوہرا عذاب ہے، جہنم کا بھی اور آگ کا بھی) اب آپ سوچیں کہ آپ نے تو کسی مومن اور مومنہ کو تکلیف تو نہیں دی اگر دی ہے تو اس سے معافی مانگیں کیونکہ یہ حقوق العباد میں شامل ہے خدا اس کو معاف نہیں کرے گا۔

دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ زمین سے ملا ہوا ہے۔اس طبقہ میں سب سے زیادہ سخت اور شدید عذاب ہے۔کافر،مشرک اور بہت ہی زیادہ سیاہ کار مسلمانوں کی روحیں یہاں عذاب بھگت رہی ہیں۔ اس سے اوپر کے طبقہ میں نسبتاً کم عذاب ہے اور پہلے طبقہ والوں کی نسبت کچھ اچھے اخلاق والے کافر ومشرک اور پہلوں سے کم گناہ گار مسلمانوں کی روحیں یہاں رہتی ہیں۔اسی طرح جتنے اوپر کی طرف چلیں عذاب کم ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ سب سے آخری طبقہ میں معمولی سی آسائشیں اور معمولی قسم کی تکلیفیں دونوں ملی جلی ہیں، یہ طبقہ دوزخ کے آخری سرے پر ہے اور اس کے بعد ایک دیوار ہے جس کا نام اعراف ہے۔دیکھیے سورہ اعراف **وَ بَیۡنَہُمَا حِجَابٌ وَعَلَی الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ یَّعۡرِفُوۡنَ کُلًّۢا بِسِیۡمٰہُمۡ وَنَادَوۡا اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ لَمۡ یَدۡخُلُوۡہَا وَہُمۡ یَطۡمَعُوۡنَ ۝** یہاں دوزخ کا طبقہ ختم ہوجاتا ہے۔اعراف کے بعد جنتوں کے عوالم شروع ہوتے ہیں جو نیچے سے اوپر کی طرف طبق بر طبق عالم ھوتک چلے گئے ہیں سالک کی روح انہی طبقات میں سے گزرتی ہوئی اُوپر چڑھتی ہے جیسا کہ سورہ انشقاق میں ہے **لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ** تم کو چڑھنا ہے طبق طبق کرکے،، یہ جنتیں بھی بذات خود ایک کائنات ہیں جو زمین وآسمان کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

دیکھیے سورہ آل عمران آیت 133 **وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ**، اورالحدید آیت 21۔**سَابِقُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا کَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ؕ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ۝**

جنتوں کا پہلا طبقہ عالم ملکوت کہلاتا ہے،اس کو ہم نے نیک اعمالی کے تفاوت کے لحاظ سے 36خیالی طبقوں میں تقسیم کیا ہے دوسرے عالم کا نام جبروت اور تیسرے کا لاھوت ہے۔ ان دونوں میں 18-18طبقات ہیں۔ملکوت کا جو طبقہ اعراف سے ملا ہوا ہے اس میں معمولی مسلمانوں کے لیے معمولی قسم کی جنتیں ہیں۔اس سے اوپر کا طبقہ کچھ بہتر اور تیسرا طبقہ دوسرے سے اور چوتھا تیسرے سے کچھ بہتر ہے۔**وقس علیٰ ھذا**۔چھتیسویں طبقے کی جنتیں پچھلے تمام طبقات سے بہتر اور اعلیٰ ہیں۔یہ اعلیٰ درجے کے مسلمانوں کے لیے ہیں۔اس کے بعد عالم جبروت شروع ہوتا ہے۔جبروت کے شروع ہوتے ہی منظر بالکل بدل جاتا ہے۔یہاں کی جنتیں شان وشوکت، آرام وآسائش،باغات وانہار اور حور وقصور کے لحاظ سے ملکوت کی جنتوں سے کہیں زیادہ بہتر اور ممتیز ہیں۔یہاں بڑے متقی،متورع،عابد وزاہد اولیاء اور مومنوں کے محلات ہیں۔ اس کے بعد لاھوت ہے۔ان جنتوں کا تو کہنا ہی کیا،یہ تو حسن وخوبی،نفاست ونزاکت نعائم ولذائذ اورکوائف کے لحاظ سے قطعاً مثالی بلکہ خیالی معلوم ہوتی ہیں۔یہاں بہت ہی عالی مرتبت مومن اولیاء،اصفیاء،صدیقین اور شہیدوں کی روحیں رہتی ہیں۔

لاھوت کے بعد حاھوت کا عالم ہے۔اس کے چودہ طبقات ہیں۔یہاں پہلے ہی طبقہ سے صور واشکال اس قدر باریک،دھندلی اور لطیف ہوجاتی ہیں کہ مشکل ہی سے نظر آتی ہیں اور دو چار طبق آگے نکلنے کے بعد تو ان کا نام ونشان بھی نہیں رہتا صرف معنویت ہی معنویت رہ جاتی ہے۔یہاں سے جو کچھ مکشوف ومشہود ہونا شروع ہوتا ہے وہ دنیا کی کسی زبان کے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حاھوت کے بعد عالم ھو ہے۔اس کو طبقات میں تقسیم کرنا ناممکن ہے۔یہ نور جیسی ایک شے کا ناپیدا کنار سمندر ہے۔جس کو خدا کچھ دکھانا چاہے وہ یہاں بھی بہت کچھ دیکھتا ہے،لیکن جو کچھ مکشوف ومشہود ہوتا ہے وہ بھی بیان نہیں کیا جاسکتا۔اس عالم کو مثلاً ہماری زمین کی فضا کے طور پر سمجھنا چاہئے کہ جیسے فضا میں اگرچہ بہت کچھ ہے مگر نظر نہیں آتا ہاں عقل وتجربہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔اسی طرح ھو میں بھی بہ ظاہر کچھ نظر نہیں آتا لیکن کشف اور دل کی آنکھ سے بہت کچھ دکھائی دیتا

اور معلوم ہو جاتا ہے لیکن اگر ہم اس کو بیان کریں تو کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گا کیونکہ ہماری دنیا میں ان چیزوں کی مثالیں موجود نہیں ہیں۔ جن سالکوں کی روحیں یہاں زیادہ عرصہ قیام کرتی ہیں ان کو بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ دوزخ سے ھو کی انتہا تک جو عالم ہے وہ عالم مثال کہلاتا ہے۔ ھو کے بعد ایک بالکل ہی نیا عالم شروع ہوتا ہے جس کا نام عالم امر ہے۔ اس کا پہلا طبقہ یا لطیفہ عدم کہلاتا ہے۔ یہاں بھی مطلقاً کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو نظر آسکے یا عقل و تجربہ سے معلوم ہو سکے۔ اس کو آپ مثلاً ایسا سمجھ لیں جیسا کہ ہماری فضا کے اوپر خلاء ہے۔ عدم دراصل ایک تخریبی یا منفی قوت ہے بسیط شکل میں۔ عدم کے بعد نفسِ بسیط، پھر عقلِ بسیط، پھر روح بسیط کے لطائف ہیں۔ روح کے بعد سوادِ عرش ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی صفاتی تجلیات ظاہر ہو کر تمام عالم میں ہر وقت جاری و ساری رہتی ہیں۔ اس کے بعد عرش اعظم ہے۔ یہ ذاتی تجلیات کا عالم ہے اور اسی کے مرکز میں اللہ تعالیٰ کی وہ ذات بحت مشہود ہوتی ہے جس میں نہ کوئی رنگ ہے نہ نور، نہ صفت، اس کا مطلب آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ ذات بحت یہاں کسی خاص مقام یا علاقے میں مقید و محدود ہے، مطلق نہیں۔ وہ ذات تو اپنی تمام صفات و بے صفاتی کے ساتھ کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے لیکن سالک کو اس کا مشاہدہ یا عرفان اسی مقام پر حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہے ایک معمولی اور سادہ سا خاکہ ان عوالم کا جن میں سے گزر کر سالک کی روح اپنے مقام محمود یا ذاتِ بحت تک پہنچتی ہے۔

روح: اب کچھ حال روح کا بھی سن لیجئے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ روح کوئی محدود جسم والی ایسی چیز ہے جو بدن سے نکل کر گیند کی طرح یا کسی پرندے کی طرح آزاد ہو جاتی ہے اور ادھر اُدھر اڑتی پھرتی ہے، یہ بات نہیں ہے۔ روح کی مثال تو ایک شعاع کی سی ہے جس کی اوپر کی چوٹی ہر وقت خدا کے ہاتھ میں رہتی ہے اور نیچے کا سرا انسان کے دماغ میں پیوست ہو کر بدن کے ہر ذرہ پر اپنا عکس ڈالتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

وَمَـامِنْ دَآبَّةٍ اِلاَّ هُوَ آخِذٌ بِنَـا صِيَتِهَـا (یعنی کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کو اللہ نے اس کی چوٹی سے نہ پکڑ رکھا ہو) یہ ایک ایسا واسطہ خدا کا اپنے ایک بندے کے ساتھ ہے جو کسی دوسرے بندے کے ساتھ نہیں ہے۔حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ خدا سے ملنے کے کتنے راستے ہیں فرمایا کہ جتنے جاندار اس دنیا میں پیدا ہو چکے ہیں یا آئندہ ہوں گے اتنے ہی راستے ہیں۔یہاں حضرت حسن بصریؒ کی مراد یہی روحانی شعاعیں ہیں۔یہ شعاع نان کنڈکٹر ہے یعنی کوئی شے اس کو قطع نہیں کر سکتی۔یہ ہر چیز میں سے گزر جاتی ہے اور ہمیشہ قائم رہتی ہے۔یہ اس قدر لچک دار اور سریع السیر ہے کہ ایک سیکنڈ میں تمام کائنات کا چکر لگا کر پھر اپنی جگہ پر آجاتی ہے۔اس شعاع کے برزرہ میں اس انسان کا ایک پیکر مثالی یا ہمزاد موجود ہوتا ہے جو ہو بہو اسی کی شکل کا ہوتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ عالم روحانی میں جتنا اُوپر کی طرف بڑھو ہر جسم پچھلے جسم سے چھوٹا اور لطیف تر ہوتا جاتا ہے۔درحقیقت یہ ایک ہی جسم کے بے انتہا شقی ہیں ان کی بابت نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہت سے جسم ہیں نہ یہ کہ یہ سب ایک جسم ہے۔اس کا صحیح علم صرف مشاہدہ کرنے والوں کو ہو سکتا ہے، کتابوں میں کتنا ہی کھول کھول کر سمجھایا جائے مشکل ہی سے کچھ سمجھ میں آتا ہے، تاہم ایک تصور دماغ میں قائم ہو جاتا ہے جو تفکر کرنے والوں کی خاصی رہنمائی کر سکتا ہے۔

اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ انسان یا سالک کی ذات سے خدا کی ذات تک کون کون سے طبقات وعوالم موجود ہیں اور ان میں اس کی روح کس طرح قائم ہے۔اب جاننا چاہیے کہ روح کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کے اعمال سے فوراً متاثر ہوتی ہے۔اگر انسان برے کام کرے تو پہلے اس کا قلب، پھر نفس متاثر ہوتا ہے اور نفس کا اثر براہ راست روح پر پڑتا ہے اور روح ایک قسم کی کمزوری اور نقاہت محسوس کرتی ہے۔اب اگر وہ آدمی متواتر برے کام ہی کرتا رہے تو روح کمزور ہوتے ہوتے بہت ہی زیادہ نحیف ہو جاتی ہے، اس کا رنگ جو نور جیسا روشن ہے سیاہ پڑتا جاتا ہے۔اس کی لطافت کثافت میں بدلتی جاتی ہے اور آخر کار روح کوڑھیوں کی طرح مجروح

اور داغدار ہوتے ہوتے بالکل مسخ اور مفلوج ہو جاتی ہے اور کثیف اور بھاری ہونے کی وجہ سے عالم ارواح میں اوپر کی طرف پرواز نہیں کر سکتی اور بے حس وحرکت ہو کر دوزخ کے طبقات میں گر پڑتی ہے اور جب تک جل جل کر بالکل پاک اور لطیف نہ ہو جائے آگے نہیں بڑھ سکتی، یہی سزائے دوزخ ہے۔ اس کے برعکس جو آدمی نیک کام کرتا ہے اس کی روح طاقتور، ہلکی اور لطیف ہوتی جاتی ہے اور جتنا وہ نیک ہوتا ہے اسی نسبت سے روحانی شعاع جنت کے کسی طبقہ تک پہنچ کر وہاں کے نعائم سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اس بات کو زیادہ اچھی طرح سمجھانے کے لیے ہم راہ سلوک کے ایک مسافر یعنی سالک کی روح کا حال بیان کرتے ہیں کہ اس کی نیکی اور اس کا ذکر وفکر کس طرح اس کی روح پر اثر کرتے ہیں اور وہ کس طرح آگے ترقی کرتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کچھ عرصہ تک باقاعدہ ذکر کرنے اور مرشد کی توجہ کا اثر دل ودماغ پر پڑنے کے بعد سالک کے قلب میں ایک خاص قسم کا سوز اور گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس گرمی کا اثر سالک کے نفس پر ہوتا ہے اور نفس بھی گرم ہو جاتا ہے۔ اس وقت سالک پر ایک نہایت ہی پر کیف بے خودی طاری ہونے لگتی ہے اسی بے خودی کو جذب کہتے ہیں۔ یہی وہ حالت ہے جس میں سالک سے عجیب وغریب قسم کی کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ نفس کے گرم ہوتے ہی روح بھی گرما جاتی ہے اور کیف وبے خودی سے سرشار رہنے لگتی ہے۔ لیکن سالک کی ذات سے باری تعالیٰ کی ذات تک روح کی ساری شعاع گرم نہیں ہوتی بلکہ اس کا تھوڑا سا حصہ گرم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کچھ مدت میں دوزخ میں سے جو حصہ گزرتا ہے وہ سارے کا سارا گرم ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جتنا حصہ گرم ہوتا ہے وہ بیدار اور باخبر یا زندہ ہو جاتا ہے یعنی اس گرم حصے میں سالک کے جتنے مثنّی یا ہمزاد ہیں وہ سب جاگ پڑتے ہیں اور ہر وقت اللہ کی حمد وصلوٰۃ میں مصروف رہتے ہیں۔ اس گرمی کی مثال بجلی سے دی جا سکتی ہے کہ جب اس کو تانبے کے مُردہ تار میں داخل کر دیا جاتا ہے تو وہ تار زندہ ہو جاتا ہے اور اس سے ہزاروں کام لیے جا سکتے ہیں۔ روح کا وہ حصہ جو دوزخ میں

سے گزرتا ہے جب بیدار ہو جاتا ہے تو اکثر سالکوں کو دوزخ کے مختلف مقامات کے نظارے سوتے یا جاگتے میں دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی دوزخ کے لق ودق میدانوں، بے آب وگیاہ بیابانوں اور سوکھے خشک کالے پہاڑوں کا نظارہ کرتا ہے، کسی کو آگ کا عذاب ہوتا دکھائی دیتا ہے اور بعض سالکوں کو ایسے بھیانک منظر دکھائی دیتے ہیں جو وہ برداشت بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد جب روحانی شعاع کا وہ حصہ بیدار ہوتا ہے جو ملکوت کی جنتوں میں سے گزرتا ہے تو سالک کو ان جنتوں کی سیر ہونے لگتی ہے۔ یہاں طرح طرح کے قیمتی پتھروں کے محل، پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے گھنے باغات، نہریں، چشمے، رنگ برنگ کے پرند اور چوپائے وغیرہ نظر آتے ہیں۔ حوروقصور کے علاوہ اس کو اپنے مرے ہوئے بزرگوں اور دوست احباب کی روحیں بھی ملتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد جبروت کا عالم ہے۔ جب سالک کی روح کا وہ حصہ جو اس عالم میں سے گزرتا ہے ذکر کی حرارت سے گرم ہو جاتا ہے اور اس میں سالک کے جو لطیفے ہیں وہ بیدار ہو جاتے تو ہیں اس عالم کی سیر ہونے لگتی ہے۔ جبروت کی جنتیں ملکوت کی جنتوں سے کہیں زیادہ خوبصورت اور نفیس ونازک ہیں۔ اگر ملکوت کی جنتوں کے قصر قیمتی اور رنگ برنگ پتھروں سے بنے ہوئے ہیں تو یہاں کے قصر سونے چاندی اور دوسری قیمتی دھاتوں سے بنے ہوئے ہیں۔ عالم جبروت کے بعد عالم لاھوت ہے جہاں پر خوبصورتی اور لطافت ونزاکت، جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے، انتہائے کمال کو پہنچ گئی ہے۔ یہاں کے باغات، سبزے کے سدابہار پھولوں سے لدے ہوئے قطعات، ندیاں، نہریں، چشمے اور خوش الحان پرند ہر لحاظ سے بے مثال اور بے نظیر ہیں۔ یہاں کے قصر جواہرات سے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں عابدوں، زاہدوں، صدیقوں، شہیدوں اور بڑے عالی مرتبت اولیائے کرام کی روحیں مقیم ہیں۔ ان سب طبقات کی خوبصورتی اور لطافت ونزاکت کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔ ہم نے تھوڑا بہت اس لیے لکھ دیا ہے کہ پڑھنے والوں کے دماغ میں ایک تصور قائم ہو جائے۔ لاھوت کے بعد ھاھوت ہے۔

جب سالک کی روح کا وہ حصہ جو یہاں سے گزرتا ہے، زندہ ہو جاتا ہے تو اس کو ایک بالکل ہی نیا منظر دکھائی دیتا ہے جو دوران سلوک میں پہلے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ اس طبقہ میں صورتیں اور شکلیں اس قدر لطیف ہو جاتی ہیں کہ ایک بہت ہی باریک تحریر کی مانند نظر آتی ہیں۔ اوپر سے نیچے اور دائیں سے بائیں تک ایک ہلکا ہلکا سفید غبار (نور) سا نظر آتا ہے اور اس میں جو محلات و باغات اور جاندار وغیرہ دکھائی دیتے ہیں ان کی صورتیں اور شکلیں بالکل خیالی اور موہوم جیسی لیکن بے انتہا حسین نظر آتی ہیں۔ اگر آپ کو کسی پہاڑ پر برسات گزارنے کا موقع ملا ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بادل زمین پر آتے ہیں اور گھروں میں گھس جاتے ہیں تو ان میں سے نظر آنے والی عمارتیں اور جاندار بالکل دھندلے دھندلے مگر بہت زیادہ خوبصورت دکھائی دیتے ہیں بعینہٖ یہی نظارہ حاحوت کی ابتدائی منزلوں میں ہوتا ہے اس کے بعد جوں جوں آگے بڑھتے ہیں صور و اشکال اور بھی زیادہ دھندلی ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صورتیں اور شکلیں وہیں موجود ہوتی ہیں مگر اتنی لطیف ہو جاتی ہیں کہ نظر نہیں آتیں لیکن جن اولیائے کرام اور عارفین عظام کی بصیرت بہت زیادہ ہوتی ہے وہ بہت کچھ دیکھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

حاھُوت سے آگے ھُو کا عالم ہے۔ یہاں صورتوں اور شکلوں کا شائبہ تک بھی نہیں رہتا۔ صرف ایک نور جیسی چیز ہوتی ہے جو اوپر سے نیچے اور دائیں سے بائیں جہاں تک نظر جا سکتی ہے دکھائی دیتی ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ صورتیں اور شکلیں یہاں موجود ہی نہیں یقیناً موجود ہیں اور اس قدر زیادہ ہیں کہ سارا عالم ان سے معمور ہے۔ لیکن وہ ہاں سے بھی کہیں زیادہ باریک و نازک اور اس قدر لطیف ہیں کہ صرف انہی بزرگوں کو نظر آ سکتی ہیں جن کو اللہ نے بہت ہی زیادہ روحانی بصیرت عطا فرمائی ہو۔ چنانچہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو خدا نے ایسی ہی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ جب وہ حاحوت طے کر کے اس عالم میں داخل ہوئے تو پچھلے تمام عوالم (جن کو وہ طے کر آئے تھے) کے مقابلہ میں یہاں کی لامحدودیت، یک رنگی اور لطافت کو دیکھ کر

حیران رہ گئے اور اس نظارے سے اس قدر سکون وکیف اور فرحت ان کو حاصل ہوئی کہ آگے قدم نہ بڑھا سکے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ عرصہ دراز تک یہیں رہنے کے بعد جب ان کی روحانی آنکھ عادی ہو گئی تو رفتہ رفتہ ان کو یہاں کی ارواح اور فرشتوں کی شکلیں اور صورتیں بھی نظر آنے لگیں اور وہ یہ سمجھے کہ یہ (ھو) ذات احدیت ہے اور اسی میں سے تمام صورتیں اور شکلیں ظہور پذیر ہوتی اور اسفل کی طرف نزول کرتی ہیں یہاں تک کہ مادی عالم میں پہنچ کر ایسی ٹھوس اور جامد نظر آتی ہیں جیسا کہ دنیا والے ان کو دیکھتیا محسوس کرتے ہیں۔ یہاں یہ یاد رکھنا بے حد ضروری ہے کہ یہ اشیاء جو یہاں نظر آتی ہیں وہ دیکھنے والے کے لیے پہلے بالکل معدوم یعنی انھی کی حالت میں ہوتی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ابھرتی اور موہوم سی نظر آتی ہیں (یہ ان کی خفی کی حالت ہے) پھر جب وہ اور زیادہ جلا پاتی ہیں تو رفتہ رفتہ پوری طرح مجلّٰی اور متجلّٰی ہو کر (روحانی آنکھ کو) نظر آنے لگتی ہیں۔ اس سے جناب ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ جو نور نظر آتا ہے یہی ذاتِ احدیّت ہے اور کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں سب اسی ذات سے پیدا ہوتی ہیں اور اسفل کی طرف نزول کرتے کرتے آخر میں اس قدر کثیف ہو جاتی ہیں کہ مادی عالم میں پہنچ کر مادی کہلاتی ہیں۔

اس طرح کے ظہور اشیاء کو حضرت ابن عربی نے تجلی کا نام دیا اور دراصل یہی نام ہی سب سے مناسب اور صحیح ہے کیونکہ تجلی صرف روشن ہو جانے کو نہیں کہتے بلکہ جو چیزیں دھندلی نظر آتی ہیں یا جو خیالات دماغ میں موہوم سے ہوتے ہیں وہ اگر صاف صاف دکھائی دینے لگیں یا سمجھ میں آ جائیں تو اس کو بھی جلایا تجلی کہتے ہیں (مثلاً ایک بہت ہی باریک عبارت کو جلی قلم سے لکھ دینا) الغرض اس وجہ سے حضرت ابن عربیؒ نے وحدت الوجود کا نظریہ قائم کیا اور دعویٰ کر دیا کہ وجود ایک ہے اور وہی خدا ہے، اور جو اشیاء ہم کو دکھائی دیتی یا محسوس ہوتی ہیں وہ سب اسی وجود کی تجلیات اور تعین ہیں یعنی یہ سب گھل مل کر ایک وجود ہے اور وہی خدا ہے اور یہ اسی طرح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ آپ سے التماس ہے کہ اس کتاب کے پانچویں باب میں ہم نے

مادہ پرستوں اور وجودیوں کے اقوال کا جو مقابلہ کیا ہے ایک بار پھر اس کو دیکھئیں۔آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں،صرف الفاظ کا الٹ پھیر ہے۔اب ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ حضرت مجدؒد الف ثانی ؒ بھی بقول خود اسی مقام پر کچھ عرصہ مقیم اور حضرت ابن عربی ؒ کی طرح وحدت الوجود کے قائل رہے لیکن جب اور اوپر چڑھے اور ھو کے اوپر والے کنارے کے قریب پہنچے تو وہ وحدت الوجود کے منکر ہو گئے اور یہ سمجھے کہ مخلوقات خدا کی ذات کا ظل (سایہ) ہے۔ وہ ایسا کیوں سمجھے،اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک سالک ھُو کے نیچے والے کنارے کے قریب رہتا ہے تو وہ اوپر سے آنے والی ارواح اور احکام خداوندی کو اپنے ہی اردگرد ابھرتا ہوا محسوس کرتا ہے اور یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ سب چیزیں یہیں پیدا ہو کر نیچے کے عوالم کی طرف نزول کرتی ہیں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔حضرت ابن عربیؒ نے بھی یہی سمجھ لیا تھا،لیکن جب وہ ترقی کرتے اور اوپر کو اُٹھتے ہوئے ھو کے اُوپر والے کنارے کے قریب پہنچتے ہیں تو یہی ارواح اور احکام خداوندی اُن کو اوپر سے آتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور چونکہ یہ سب شعاؤں کی شکل میں ہوتے ہیں اور اس کثرت اور تواتر سے نازل ہوتے ہیں جیسے کہ بارش یا سورج کی کرنیں اوپر سے گرتی ہیں۔اب وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب مخلوقات ذات کا ظل یا سایہ ہے جیسے کہ دھوپ سورج کا سایہ یا ظل ہے۔یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت مجدؒد الف ثانی ؒ نے سمجھ لیا کہ مخلوقات ذات باری تعالیٰ کا سایہ ہے۔یہاں قارئین کے دل میں یہ وسوسہ آنا چاہئے کہ جب ھُو کے اوپر عدم کا عالم ہے تو یہ ارواح واحکام وغیرہ عدم میں معدوم ہو کر ھو میں داخل ہوتے ہی کس طرح متشکل ہوجاتے ہیں۔یہ وسوسہ بالکل بجا ہے اور حق بھی یہی ہے۔بات یہ ہے کہ عدم خود ایک طرح کا وجود ہے جس کا خاصہ تخریب وفنا ہے۔یہ ارواح وغیرہ جب یہاں پہنچتی ہیں تو یہ خاصہ اپنی بساط کے مطابق جذب کر لیتی ہیں اور فنا ہوجاتی ہیں یعنی عدمیت کا وجود اختیار کر لیتی ہیں مگر جب ھو میں نزول کرتی ہیں تو پھر اپنا پہلا وجود اختیار کر لیتی ہیں۔لیکن اب اس وجود میں عدمیت کا خاصہ شامل ہوتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ ارواح وغیرہ اگر عدم میں سے نہ گزرتیں تو عالم مادی

میں آ کرنہ ان میں کوئی خرابی پیدا ہوتی نہ ان کو موت آتی ۔غالب نے اسی بات کو یوں کہا ہے۔

میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولٰی برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

یہ بات اس دریا کی مثال سے بھی کچھ کچھ متصور ہو سکتی ہے جو کھلے میدان میں بہتا ہوا کسی بڑے ریگستان میں داخل ہوتا اور کچھ دور جا کر غائب ہو جاتا ہے لیکن دس بیس میل کے بعد پھر ظاہر ہو جاتا ہے۔ہم نے اس مشکل ترین حقیقت کو آسان ترین الفاظ میں بیان کرنے کی پوری کوشش کی ہے خدا جانے آپ کی سمجھ میں کچھ آیا ہے یا نہیں بہر حال جو سالک یہاں تک پہنچتے ہیں اگر انہوں نے ہماری یہ کتاب اور خاص کر یہ بیان پڑھ لیا ہے تو ان کو سلوک طے کرنے میں بڑی آسانی ہوگی اور وہ کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں گے۔ھُو سے آگے عدم اور اس سے آگے عالم امر ہے یعنی جو اشیاء یا ارواح عالم مادی میں پیدا ہونے والی ہیں ان سب کی مثالی صورتیں مع تمام جزئیات کے ابھی اللہ تعالٰی کے ذہن میں ہیں اور نزول کر رہی ہیں۔کوئی ولی، نبی یا فرشتہ ان کا حال نہیں جان سکتا۔عالم امر کے آگے عرش اور عرش کے مرکز میں اللہ کی ذات احدیت ہے جب حضرت مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اس مقام مقدس پر پہنچے تو اصل حقیقت ان کی سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے دیکھ لیا کہ اللہ، اللہ ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔یہ دو وجود ہیں ۔ایک وجود کا نظریہ یا عقیدہ غلط ہے اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْئٍ وَّهُوَالْوَاحِدُالْقَهَّارْ ○

(ترجمہ: اللہ ہی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر لحاظ سے واحد ہے اور سب پر غالب ہے)

حقیقی دشمن

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی)

عالم بالا میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تسلیم کرنے کیلئے جو عہد لیا گیا۔اس کا مقصود تمام انسانوں کو حیات ارضی کے دوران اللہ کی بندگی کے لئے تیار کرنا تھا تا کہ وہ اس کی نازل کی ہوئی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر مومنین کہلوائیں اور وفلاح دارین حاصل کریں۔جو لوگ ایسا نہ کریں گے اور ابلیس کا ساطرز عمل اپنا کر اپنی منزل کے مطابق زندگی گزاریں گے ان کا انجام بھی اسی کے ساتھ ہوگا روزِ ازل ہی اس کے بارے میں خبردار کر دیا گیا تھا۔قرآن بیان کرتا ہے کہ جب ابلیس نے آدم علیہ اسلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور پھر اسے روز قیامت تک کے لئے مہلت دے دی گئی تو مزید مکالمہ سورہ ص آیت 82-85 میں اس طرح ہوا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ

"شیطان کہنے لگا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا ان کے سوا جو تیرے خالص بندے ہیں۔اللہ نے فرمایا سچ ہے اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دونگا"۔

انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی محبت کرنے کے لئے کیا ہے۔لفظ انسان کا مادہ بھی اُنس ہے انسان میں جبلی طور پر اُنس ومحبت کے جذبے کا غلبہ ہے۔وہ نہ صرف اپنے ہم جنسوں بلکہ حیوانات،نباتات،چاند،سورج،ستاروں،پہاڑوں آبشاروں اور فطرت کے دیگر نظاروں سے بھی پیار کرتا ہے۔اس کے علاوہ ہر انسان ازلی طور پر سعید اور مومن ہے کیونکہ میثاق ارواح کے دوران کسی بھی روح نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔یہی وجہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق ہر بچہ فطری طور پر اللہ کا مطیع یعنی مسلمان ہی پیدا ہوتا ہے اور بلوغت کی عمر سے پہلے وفات پا جانے والے سب بچے جنت میں جاتے ہیں۔ معصوم انسانوں کو ہدایت کے نور سے کفر کے اندھیروں میں لے جانے کا کام طاغوتی گروہ سرانجام دیتا ہے جس کا سربراہ شیطان ہے اور اس کے مددگاروں میں کافر جن، کافر انسان اور بدروحیں شامل ہیں۔ انسان کا حقیقی دشمن صرف شیطان ہے اور دنیوی زندگی میں انسانوں کے مابین نفرت، عداوت، جھگڑے اور جنگیں اس کی تحریص اور ترغیب سے جنم لیتے ہیں تا کہ انسان محبت کی راہ سے ہٹ کر اپنی حقیقی منزل سے دور جا پڑے۔ اور فتنہ فساد میں مبتلا ہو کر دوزخ میں اس کا ساتھی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں بنی نوع انسان کو خطاب فرماتے ہیں:-

يَـا أَيُّهَـا الـنَّـاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ٥ إِنَّ الشَّيْطَـانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ٥ (سورۃ فاطر 5-6)

" اے لوگو! آخرت کی زندگی کے بارے میں اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ ہی فریب دینے والا شیطان تمہیں فریب میں مبتلا کرے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ اپنے چہیتوں کے گروہ کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں ہو جائیں "۔ بنی نوع انسان کیلئے اپنے اس مکار اور نظر نہ آنے والے دشمن سے محفوظ رہ کر حقیقی فلاح کی منزل حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے بابرکت آئین کے تحت زندگی بسر کرے۔ اللہ کے دین میں جور و جبر، ظلم و فساد، مکر و فریب، ہوا و ہوس اور جوع الارض کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دین اسلام میں انسانوں کو انسان کا غلام بنانے کی بجائے اللہ احکم الحاکمین کی حاکمیت کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ اس فطری نظام میں کسی بھی انسان کو دوسرے انسان پر کسی قسم کی پیدائشی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

صرف اہل ایمان لوگ اللہ کی محبت اور تقویٰ کے مدارج کی مناسبت سے عزت و اکرام پاتے ہیں۔

دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے ایک نئے مسلمان کو وہی معاشی اور معاشرتی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں جو مسلم اُمت کے سربراہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کا آئین ساری بنی نوع انسان کو ایک ہی کنبہ گردانتا اور محبت، خدمت اور اکرام انسانیت کو فروغ دینے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کے تحت وہ اللہ تعالیٰ کے آئین سے روگردانی کرنے والے کفار سے بھی حسن سلوک اور رواداری برتنے کا حکم ہے۔ اس میں جہاں اپنے والدین، بہن بھائیوں، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں سے محبت و مودت کی تعلیم ہے۔ وہاں بلاامتیاز مذہب وملت اپنے ہمسایوں، ہمراہیوں، ہم وطنوں، مسافروں یتیموں، مسکینوں، کام کاج کے ساتھیوں اور تمام بنی نوع انسان بلکہ ہر جاندار کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنے کی تاکید بھی ہے۔

خالق کائنات اپنی پیاری مخلوق کے مصائب کم کر کے اس کی فلاح و بہبود اور خدمت کے لئے مال و دولت صرف کرنے کو اپنے دین کا نہایت ہی اہم رکن قرار دیتا ہے۔ اللہ کی ربوبیت اور الوہیت کا علمبردار دین، پوری انسانیت کے لئے سلامتی، محبت و خدمت اور امن و آشتی کا آئین ہے۔ سارے فسادات اس مقدس آئین کی خلاف ورزی کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ یہ زر، زن اور زمین کے انفرادی جھگڑے ہوں یا قوموں کی سطح پر دوسرے انسانوں کا استحصال کرنے اور کمزور قوموں کو غلام بنانے کے معاشی اور جنگی منصوبے ہوں سب کے سب انسانی نفس کی ہوس کاری اور تلبیس ابلیس کے شاخسانے ہیں۔ قرآن حکیم انسان کو اس کے ازلی دشمن کی تخریب کاریوں کے انداز اور باہمی عناد و فساد پیدا کرنے کے طریقہ کار سے آگاہ کرتا ہے۔ یہاں چند منتخب آیات کا ترجمہ تحریر کیا جاتا ہے۔

☆ "اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب ناپاک کام ہیں اعمال شیطان سے ہیں۔ سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے

تو تم کوان کاموں سے باز رہنا چاہیے"۔(المائدہ 91-90)

☆ "شیطان نے ان کو قابو میں کرلیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے"(سورۃ المجادلہ 19)

☆ "اور بے شک شیاطین اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہو"۔(الانعام 121)

☆ "آپ ﷺ میرے بندوں سے کہہ دیں کہ لوگوں سے ایسی باتیں کیا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں۔کیونکہ شیطان بری باتوں سے ان میں فساد ڈلوادیتا ہے۔کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے"(بنی اسرائیل 53)

☆ "اور دیکھو! شیطان کا کہنا نہ ماننا وہ تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے"(البقرہ 268)

ان آیات مبارکہ میں ابلیس کے منشور کے بارے میں خبردار کردیا ہے۔اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اپنے دشمن کے بچھائے ہوئے جال سے دور رہے بت پرستی،وطن پرستی،قوم پرستی،شراب،منشیات،جوئے،قماربازی،بدزبانی،تلخ کلامی،مذہبی تعصب،بخل اور مال و دولت کی ہوس سے بچے تاکہ باہمی لڑائیاں جھگڑے اور جنگیں جنم نہ لیں۔صحیح سمت میں ترقی کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے معبود و محبوب اللہ کے ذکر،نماز اور اس کی مخلوق سے محبت رکھے۔یہ بات یاد رہے کہ شیطان قرآن کی اصطلاح کے مطابق فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے اور فاقے کا خوف دلا کر بخل کی بے حیائی پر لگاتا ہے اور اللہ تعالی انسانوں کو نماز قائم کرنے اور اس کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور نماز کی اہمیت جتلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ○

(العنکبوت 45)

"بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں (فحشاء ومنکر) سے روکتی ہے۔اور اللہ کا ذکر بہت بڑا کام ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے"

معلوم ہوا کہ شیطان کے حملوں کے خلاف نماز اور ذکر ایک مضبوط قلعے کا کام دیتے ہیں۔ اسلام کا یہی پیغام ہے کہ اللہ کی ربوبیت، آخرت کی زندگی پر ایمان اور صلوٰۃ وزکوٰۃ کی بنیاد پر ایک عالمگیر نظام قائم کیا جائے تا کہ انسانیت کے دکھوں کی طویل رات ختم ہو اور وہ سکھ کا سانس لے کر اللہ کی محبت کی منزل کی طرف گامزن ہو سکے۔

جن آیات کا ترجمہ اوپر بیان کیا گیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خبردار کر دیا ہے کہ شیطان تمہیں بہلا پھسلا کر جوئے اور شراب کی لذتوں میں پھنسا کر اور لہو ولعب کا رسیا بنا کر ذکر اور نماز سے ہٹانا چاہتا ہے اور جو لوگ نماز اور ذکر سے منہ موڑ لیں گے وہ گویا اللہ کو ہی بھول گئے ایسے لوگ حزب الشیطان یعنی شیطانی گروہ بن جائیں گے اور آخرت کی زندگی میں خسارہ پانے والوں میں ہوں گے۔اسی طرح انسانوں کو باہمی گفتگو میں شیریں زبانی اور خوش کلامی کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ جھگڑے کھڑے کرنے اور لڑائیوں کو بھڑکانے میں زبان کی آتش فشانی شیطان کا نہایت ہی موثر ہتھیار ثابت ہوتی ہے۔حزب الشیطان کے مقابلے میں حزب اللہ کا ذکر سورۃ المائدہ کی آیات 55 اور 56 میں کیا گیا ہے ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"اے ایمان والو! تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومن لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے دوستی کرے گا وہ حزب اللہ میں داخل ہوگا اور حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ ہی غلبہ پانے والا ہے"۔

حزب اللہ میں تمام انبیاء، شہداء، صدیقین، اور مومنین شامل ہیں اور اس گروہ کے سالار اعظم حضور خاتم النبیین، رحمت اللعالمین، سیّد الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں یہ گروہ لوگوں کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے جس کے

نتیجے میں دنیا کی زندگی میں اطمینان قلب، ذہنی سکون، امن وامان اور خوشحالی ملتی ہے اور آخرت کی زندگی میں جنت کی نعمتیں اور اللہ کا قرب و دیدار عطا ہوتا ہے ۔شیطان کی سازشوں سے بچنے کی ایک ہی ترغیب ہے کہ جزوی یعنی آدھی پونی مسلمانی کے ساتھ ساتھ شیطان سے بھی تھوڑی تھوڑی دوستی قائم رکھنے والی روش ترک کر دی جائے اور حتی الوسع سو فیصد مومن بن کر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ کی بندگی کا حق ادا کیا جائے تا کہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے اپنے دامن بھر سکیں ۔اسی طرح اللہ کے دوٹوک حکم کے مطابق شیطان لعین کو پکا دشمن سمجھتے ہوئے اس کی پوری پوری مخالفت کی جائے ۔کیونکہ شیطان سے دوستی رکھنے والے کے انجام سے اللہ تعالیٰ علیم وخبیر نے ہمیں باخبر کرنے کے لئے ارشا فرمایا۔

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ
(الحج۔4)

"شیطان کی بابت لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست رکھے گا تو وہ اسے گمراہ کریگا اور دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا"

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی انسان دشمنی، مکاری، فریب دہی اور دھوکہ بازی کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ ہمیں خبردار کر دیا ہے ۔اس کے باوجود انسانوں کی ایک کثیر تعداد اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کا غلط استعمال ضرور کرے گی ۔یہ لوگ اللہ کی ربوبیت اور حیات بعد الموت کے یکسر منکر ہو کر یا ایمان کی کمزوری کے باعث ابلیس کے پھندوں میں پھنس جائیں گے ۔قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں پھر ایک مرتبہ عہد الست کے مطابق صرف اپنی بندگی کرنے کی اہمیت یاد دلائینگے اور ابلیس کی انسان دشمنی کے بارے میں کی ہوئی تنبیہ فراموش اور نظر انداز کر دینے پر سرزنش کرتے ہوئے فرمائیں گے سورۃ یٰسین آیت نمبر 59 تا 64

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ O اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِیْٓ آدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ O وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ O وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ O هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ O اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ O

"اے گنہگارو! آج تم الگ ہو جاؤ۔اے آدم کی اولاد ہم نے تم کو کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔اور یہ کہ صرف میری ہی عبادت کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے۔یہی وہ جہنم ہے جس کی تمہیں خبر دی جاتی تھی۔سو جو تم کفر کرتے رہے ہو اس کے بدلے آج اس میں داخل ہو جاؤ"۔

اللہ مالک یوم الدین کا یہ فرمان سن کر ظالم لوگ بہت پچھتائیں گے نہ کوئی معذرت قبول ہوگی نہ ہی دنیا میں پھر ایک مرتبہ بھیجنے کی التجاء کی شنوائی ہوگی۔سب قریبی رشتہ داریاں دوستی کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔جب دنیا ہی باقی نہ رہے گی تو دنیا کے ناطے کیونکر باقی رہ سکتے ہیں اس وقت گنہگار کی جو کیفیت ہوگی اس کا حسرت انگیز نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سورۃ الفرقان آیت 29-27 میں کچھ اس طرح کھینچا ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَا لَيْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا O يَا وَيْلَتٰی لَيْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا O وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا O

"اس دن ناعاقبت اندیش ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا۔اور کہے گا کہ اے کاش! میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا۔ہائے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔اس نے مجھ کو قرآن جیسی نصیحت کو میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا۔اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کہیں گے کہ اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

باباجی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط بنام شہزاد محمود (ملتان)

مورخہ 11.01.2012

مہدیؑ کا ظہور

آپ نے بزرگوں کی پیش گوئیاں تحریر کی ہیں ۔امام مہدی جب اللہ کا حکم ہوگا آ جائیں گے ہمیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ آ کر پھونک ماریں گے تو سارے کفار ختم ہو جائیں گے اور ہم جیسے ناکارہ مسلمان دنیا کے حکمران بن جائیں گے۔وہ سب سے پہلے ہم مسلمانوں کی اصلاح کریں گے۔فرقوں اور ٹولوں میں بٹے ہوئے مسلمان ان کا استقبال کس طرح کریں گے۔ یہ دیکھنے کا مقام ہوگا حضور نبی کریم ﷺ کی آمد کی اطلاع تو سارے پیغمبر دیتے رہے لیکن جب آئے تو کس نے مانا۔کیا کیا مصیبتیں تھیں جو آپ کو سہنی پڑیں مکہ سے ہجرت کرنا پڑی۔13 سال مکہ میں گزارے اور پھر 8 سال تک مدینہ میں رہ کر اپنی قوت بڑھائی۔کفار کی جنگوں کا مقابلہ کیا اور تب جا کر مکہ فتح ہوا۔

امام آخر الزماں جب آئیں گے تو شیعہ حضرت ، ویسے ہی نہیں مانیں گے کہ ہمارے امام تو ساڑھے آٹھ سو برس پہلے پیدا ہو چکے ہیں اور غار سر من رائے میں چھپے ہوئے ہیں۔ مرزائی کا دعویٰ ہے کہ مرزا غلام احمد ہی مہدی تھا اسلئے نئے مہدی کو نہیں مانتے۔

مہدی علیہ السلام ہماری ہدایت کے لئے آئیں گے۔ ہماری راہنمائی کریں گے ہمارے عقائد درست کریں گے اور ہمارے اعمال بھی۔تب جا کر وہ جماعت تیار ہوگی جو خیر الامت کہلا سکے۔ان کے انتظار میں بے عملی کی راہ پر جمے رہنا کسی طرح مناسب نہیں آپ کو جو کچھ بتایا جا رہا ہے اس پر عمل پیرا رہیں آپ ہی حضرت مہدیؑ کا ہر اوّل دستہ بنیں گے۔ قرآن کریم سمجھ کر پڑھیں اور اس پر عمل پیرا رہیں یہی صراط مستقیم ہے۔

ایمان واسلام

(مدثر حسن بخاری ایڈووکیٹ)

قرآن کے پیش کردہ نظام فکروعمل کی دو سب سے اہم اور بنیادی اصطلاحات کا تعلق امن وسلامتی سے ہے یعنی ایمان اور اسلام ۔عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ اس کے تمام الفاظ کا ایک مادہ یا ماخذ ہوتا ہے۔جو کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ پانچ حروف پر مشتمل ہوتا ہے پھران مادوں سے بے شمار الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں جن میں بالکل ریاضی کے فارمولوں کے انداز میں اضافی معنی پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں ۔اگر چہ اصل مادے اور ماخذ کے مفہوم سے اُن کا تعلق قائم رہتا ہے چنانچہ ایمان کا مادہ 'ا م ن' ہے جس سے سادہ ترین لفظ 'امن' بنتا ہے جس کے معنی ازخود واضح ہیں یعنی بے خوفی ،اطمینان ،سکون اور چین ۔اسی طرح اسلام کا مادہ 'س ل م' ہے ۔جس سے بے شمار لفظ بنتے ہیں لیکن اُن سب میں جو مشترک مفہوم سامنے آتا ہے وہ ہے **'سلامتی'** یعنی حفاظت وعافیت ۔امن اور سلامتی قریباً ہم مفہوم الفاظ ہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں ۔اس سے فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے قریباً ایک ہی مفہوم کے دو الفاظ کو اپنی بنیادی اصطلاحات کے طور پر کیوں اختیار کیا اور کیوں نہ ان میں سے کسی ایک ہی کو منتخب کرلیا ۔انسانی شخصیت کے دو رُخ ہیں ایک داخلی یا باطنی اور دوسرا خارجی یا ظاہری ان میں سے پہلے کا تعلق انسان کی فکر ،نظریہ اور اعتقاد سے اور دوسرے کا عمل ،اخلاق اور کردار سے ہے۔یہ دونوں رُخ مربوط اور لازم وملزوم ہوتے ہیں یعنی صحیح فکر سے اچھا عمل جنم لیتا ہے اور غلط خیالات ونظریات بُرے عمل کا سبب بنتے ہیں اس طرح انسان کے اندرونی امن وسکون سے اُس کے عمل میں بھلائی اور سلامتی پیدا ہوتی ہے ۔اور ذہنی وقلبی انتشار بُرائی اور فساد کا موجب بنتا ہے۔

قرآن حکیم نے انسان کو جو صحیح فکر وعقیدہ عطا فرمایا ہے اُس کا حسین عنوان قرار دیا ہے 'ایمان' کو جس کا ثمرہ ہے داخلی امن یعنی ذہنی وقلبی اطمینان ،اور عمل کے ضمن میں جس صراطِ مستقیم

کی جانب راہنمائی کی ہے۔اُس کا جامع عنوان 'اسلام' کوقرار دیا ہے جس کا اصل حاصل معاشرتی سکون ہے اور اجتماعی سلامتی۔اس بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جہاں یہ دونوں جنس ہائے گراں مایہ یعنی ذہنی وقلبی اطمینان اور معاشرتی واجتماعی سلامتی مفقود ہوں وہاں 'ایمان' اور 'اسلام' کے وجود کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔یہ بات اصولی طور پر بھی درست ہے تاہم اس مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔جو ایمان اور اسلام کے اصطلاحی معنوں پر غور کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

ایمان: کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے میں اُن کی تخلیق اور پیدائش کے ساتھ ہی ہدایت اور راہنمائی بھی رکھ دی ہے جس کے بہت سے درجات ہیں چنانچہ جمادات ونباتات تو قدرت کے قوانین طبعی کے پابند ہیں اور اُن میں ارادے واختیار کی کوئی آزادی سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔حیوانات میں ارادی حرکت کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ اُن کی جملہ حرکات وسکنات اُن کی جبلت INSTINCTS کی تابع ہیں۔البتہ انسان میں ہم ارادہ واختیار کی آزادی کو نقطۂ عروج پر پاتے ہیں۔اختیار وارادہ کا یہ شرف ہی انسان کو دیگر اشیائے کائنات سے بلند وممتاز کرتا ہے۔چنانچہ انسان کی شرافت وکرامت اور فوز وفلاح کی بنیاد یہی ہے کہ وہ سرتابی وسرکشی کا اختیار رکھتے ہوئے بھی اپنی مرضی سے اپنے خالق کی اطاعت وتابعداری کی روش اختیار کرے بدی کی استعداد کا حامل ہونے کے باوجود نیکی کی راہ پر چلے انتقام پر قادر ہوتے ہوئے عفو ودرگزر کو اپنا شعار بنائے۔

انسان میں جبلی پابندیوں کا عمل دخل حیوانات کے مقابلے میں بہت کم ہے یا یوں کہہ لیں کہ انسان کی جبلی ہدایت کا دائرہ بہت محدود ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے نوزائیدہ بچے میں یہ پیدائشی ہدایت حیوانات کے نوزائیدہ بچوں کے مقابلے میں بہت کم ہے مثلاً بکری کا بچہ پیدائشی طور پر نباتاتی غذا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور گوشت کو منہ نہیں لگاتا۔جبکہ شیر کے بچے کو جبلی طور پر معلوم ہے کہ اُس کی غذا گوشت ہے گھاس پات نہیں، چنانچہ وہ بھوکا مر جائے گا

لیکن گھاس کو منہ نہیں لگائے گا۔اُن کے مقابلے میں انسان کے بچے کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کونسی چیز منہ میں ڈالنے کی ہے اور کون سی نہیں چنانچہ بسااوقات وہ گندگی تک کو اُٹھا کر منہ میں ڈال لیتا ہے اسی بات کو ایک دوسرے انداز سے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان اور دیگر حیوانات کی تخلیق میں ایک بنیادی فرق ہے۔دنیا کے ہر حیوان نے جو کچھ بننا ہوتا ہے وہ ازخود بن جاتا ہے فطرت نے اُس کے اندر جو کچھ بننے کے امکانات رکھے ہیں۔وہ خودبخود تکمیل کو پہنچ کر اُس کو اپنی نوع کا مکمل فرد بنا دیتے ہیں شیر کا بچہ شیر بن جاتا ہے۔بکری کا بچہ بکری۔لیکن انسانی بچے میں فطرت نے جو مضمر صلاحیتیں رکھی ہوئی ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں ایک حیوانی یا طبعی صلاحیتیں۔یہ دیگر حیوانات کی طرح ازخود نشو ونما پا کر ایک منتہی تک پہنچ جاتی ہیں۔اور وہ بچہ بالآخر حیوان ناطق یعنی آدمی بن جاتا ہے مگر دوسری صلاحیتیں جو انسانی ہیں وہ ازخود نشو ونما نہیں پاتیں۔اس کے لئے مناسب تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔جو اُسے معاشرے اور ماحول کے مطابق ملتی ہے جیسا معاشرہ ہوگا ویسا ہی وہ انسان بنے گا شرافت کا ماحول ہوگا تو شریف انسان بنے گا۔ ظالمانہ معاشرہ ہوگا تو ظالم انسان بن جائیگا۔سوائے چند استثنیٰ کے اب اچھا انسان کس طرح بنا جائے؟ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی جبلی حرکات کے برخلاف انسان میں اختیار و ارادے کی آزادی کے ساتھ ضمیر اور عقل کی صلاحیت ودیعت کی ہے۔ان میں سے ضمیر تو انسان کو اچھے برے کی تمیز سکھاتا ہے اور نیکی کی ترغیب دیتا ہے لیکن عقل اکثر و بیشتر مفاد خویش یعنی میرا فائدہ کس میں ہے کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے ان دونوں رجحانات میں توازن پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے انسانوں ہی میں سے ایسے نیک بندوں کا انتخاب کرکے جو سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار کے اعتبار سے بالکل بے داغ اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہوتے تھے۔اُن پر بذریعہ وحی اپنا پیغام ہدایت نازل فرمایا۔ایسے صالح نیک بندوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کہا جاتا ہے۔انہوں نے یہ وحی دوسرے انسانوں تک پہنچائی اور اُن کو بتایا کہ اگر وہ اس ہدایت کے مطابق زندگی بسر کریں گے تو ہر قسم کی شادمانیاں اور سرفرازیاں اُن کیلئے ہیں

اگر اُس کے خلاف چلیں گے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے جو لوگ اُن کی بات مان لیتے ہیں اور اُن پر یقین رکھتے ہیں وہ اچھے انسان یا اہل ایمان کہلاتے ہیں۔

اسلام: اسی طرح اسلام کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے ارادے و اختیار کی جو آزادی انسان کو عطا فرمائی ہے۔ انسان اپنی مرضی اور خوشی کے ساتھ اپنی اس آزادی سے اللہ کے حق میں دستبردار ہو جائے اور جس طرح اُس کا کُل جسمانی نظام اللہ کے قوانین طبعی کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے اسی طرح اپنی آزادی اور اختیار کے دائرے میں بھی اللہ تعالیٰ کے اُن احکام و ہدایات کی پابندی قبول کرلے جو بذریعہ وحی اُسے ملے ہیں کیونکہ ان میں اُس کی فلاح ہے۔

انسان لازمی طور پر کسی نہ کسی کی پیروی تو ضرور کرتا ہی ہے۔ یعنی اپنی قدیم ثقافت کی، اپنے رسم و رواج کی، اپنے آباؤ اجداد کی، اپنے نفس اور خواہشات کی، قدیم روایات یا جدید رجحانات کی، اپنی حکومت یا غیر کی حکومت کی لیکن یہ سب پابندیاں انسانوں کی خود ساختہ ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کے بتائے ہوئے طریق کار کی پیروی قبول کرلیتا ہے اور اس طرح اپنی آزادی ختم کرلیتا ہے مگر وہ یہ نہیں سوچتا کہ خود اُس جیسے انسان کس طرح آپس کے باہمی تعلقات کے لئے یکساں عادلانہ اور متوازن نظام مرتب کرسکتے ہیں؟ اس لیئے کہ اُن سب کے انفرادی اجتماعی اور علاقائی مقاصد و مفادات بھی جدا جدا ہوتے ہیں اور نسل، جنس، ماحول اور آب و ہوا کے فرق کے اعتبار سے جذبات و رجحانات بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ نے وحی کے ذریعہ جو نظام زندگی انسان کے لئے تجویز فرمایا ہے وہ ان تمام خامیوں اور کمزوریوں سے پاک و صاف اور بلند و بالاتر بھی ہے اور کل نوعِ انسانی کے لئے یکساں محیط و مفید بھی اس لئے تمام نظام ہائے زندگی کو چھوڑ کر صرف اللہ کی ہدایت و احکام کے مطابق زندگی گزارنا یا بالفاظ دیگر "اسلامی نظام" کو عملاً قبول کرنا ہی نوعِ انسانی کے لئے معاشرتی سکون اور اجتماعی سلامتی کے حصول کا واحد راستہ ہے۔

اسلام کا مرکزی تصور:

اسلام کا مقصد تمام انسانوں کے لئے قیام عدل وقسط ہے

یعنی عدل وانصاف پر مبنی ایک ایسا نظام حیات جس میں سچائی کا دور ہو۔حق کا بول بالا ہو۔انصاف اور قانون کی حکمرانی ہو اور حاکم ومحکوم ۔اعلیٰ وادنیٰ کی تقسیم باقی نہ رہے کام اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے کتنا ہی فرق اور کیسی ہی درجہ بندی کیوں نہ ہو۔احترام آدمیت کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں فضیلت دولت وثروت سے نہ ہو عظمت صرف اخلاق خدمت اور جذبہ اخوت سے ناپی جائے۔ایسے معاشرہ کے قیام کے سب ہی مذاہب اور تمام ہی ملک اور قومیں خواہش مند ہیں۔لیکن ایسا نظام فی الوقت دنیا کی ایک انچ زمین پر بھی بالفعل قائم نہیں۔اسلام نے اس مسئلہ کا واحد حل 'ایمان' کو قرار دیا ہے۔یعنی اللہ کی عظمت کا صحیح تصور۔اس کے طبعی ،تمدنی اور تشریحی جملہ قوانین کی حکمیت پر یقین اور انسان کے اختیار وارادہ کی حدود کا علم ہے۔

ایمان ہی وہ جذبہ محرکہ ہے جس سے افراد میں عمل صالح کا کرنٹ پیدا ہوتا ہے۔اور جو اُن کو پہلے آپس میں محبت اور اخوت کے رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے۔پھر انھیں اس عادلانہ نظام کے قیام کے لئے متحرک اور فعال بنا دیتا ہے۔چنانچہ وہ اس کے لئے اپنی جان ومال ہر چیز قربان کرنے کا تہیہ کر لیتے ہیں تا کہ ساری دکھی انسانیت کو فقر ،ظلم ،دباؤ ،پستی ،اندھیرے اور مصائب سے نکال کر امن وسلامتی اور عافیت وحفاظت کا ماحول مہیا کریں۔لیکن ایمان کی طاقت کے بغیر یہ کام ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اپنی تمام تر خواہش کے باوجود انجام نہیں دے پا رہے۔

حفاظتِ شکم

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

سیرت وکردار کی تعمیر، اصلاح باطن، اپنی شخصیت کو اللہ کی نظر میں مقبول بنانے اور اپنے ربّ کی بندگی کی حلاوت حاصل کرنے کیلئے جوجد وجہد مطلوب ہےاورجن چیزوں کااہتمام کرنے کی ہدایت ہےان میں ایک اہم ترین چیز شکم کی حفاظت واصلاح ہے یہ حقیقت ہے کہ شکم کی اصلاح اور حفاظت نہایت ہی مشقت طلب اور مشکل ہےاس مقصود کو حاصل کرنے کیلئے ہمہ وقتی کوشش وکاوش اور فکر واحتیاط کے علاوہ یہ جاننا بھی انتہائی ضروری ہے کہ اس سلسلے میں قرآن وسنت کی ہدایات کیاہیں اور شکم کی حفاظت واصلاح کا منشاءومراد کیا ہے؟

اگر آپ اپنی شخصیت کی تکمیل اوراپنی اصلاح وتربیت کے معاملے میں واقعی سنجیدہ اور مخلص ہیں تو نہایت ضروری ہے کہ آپ اس سلسلے کی ہدایات کونہایت توجہ اور سچی طلب کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں اور اس معاملے میں زبردست احتیاط، اور کامل یکسوئی کے ساتھ مسلسل فکروکوشش کریں اور کسی لمحہ بھی اصلاحِ باطن اور شکم کی حفاظت سے بے پرواہی نہ کریں قرآن وسنت کی مرادکو ہر حال میں پورا کرنے کی سعی کریں اوراس مرادکو پانے کیلئے بزرگوں نے جو کاوشیں کی ہیں اور اس مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ان کے جو تجربات ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں اوران کی رہنمائی میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

جسم وجان کی تمام قوتوں اورصلاحیتوں ں کاسر چشمہ شکم ہے،شکم کی اصلاح اورحفاظت کے اثرات نہایت گہرے دوررس اور نتیجہ خیز ہوتے ہیں اسی طرح شکم کے بگاڑ ،اوراس کی حفاظت سے غفلت کے اثرات بداور بگاڑ کے نتائج بھی نہایت گہرے،نہایت تباہ کن اور پوری

زندگی کو غلط رخ پر لے جانے والے ہوتے ہیں اگر آپ اپنی زندگی کی اصلاح اور تزکیہ نفس کے معاملے میں مخلص ہیں تو آپ کو اپنے شکم کی حفاظت واصلاح کے لئے ہر وقت فکر مند رہنا ہے اور تسلسل کے ساتھ اس معاملے میں سرگرم عمل رہنا ہوگا اور کامل احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اس لئے کہ جسم و جان کی کمزوری رذائل اخلاق، جنسی بے راہ روی، سرکشی، اور اخلاقی پستی کے ظہور کا سرچشمہ بھی پیٹ ہی ہے اگر واقعی خدا کی بندگی کی حلاوت حاصل کرنی ہے اور خدا کے دین پر خدا کی مرضی کے مطابق عمل کر کے خدا کا مطلوب بندہ بننے اور اس کے دین کو اس کے منشاء کے مطابق اختیار کرنے کا عزم وارادہ ہے تو آپ کے لئے لازم ہے کہ آپ سب سے زیادہ فکر اس بات کی رکھیں کہ آپ کے شکم میں کوئی حرام غذا نہ پہنچنے پائے، حرام ہی نہیں بلکہ مشتبہ چیزوں سے بھی دور رہیں اور پاک باطن رہنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ فضول حلال سے بھی شکم کی حفاظت رکھیں۔

پہلی وجہ حرام غذا جہنم کی آگ

حرام اور مشتبہ غذا سے اپنے شکم کی حفاظت کی پہلی اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ ایسی غذا دراصل جہنم کی آگ ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے شکم کو حرام مال سے بھرتے ہیں وہ دراصل خود کو جہنم کی آگ میں جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں، حرام چیزیں کھانے والا دراصل آگ سے اپنے شکم کو بھرتا ہے اور آخرت کی زندگی میں وہ بھڑکتی آگ میں جھونکا جائے گا قرآن میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْراً O (النساء 10:3)

ترجمہ: "جو لوگ یتیموں کا مال ظالمانہ طریقوں سے کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے۔"

اور ایک دوسرے مقام پر ہے:

"اے ایمان والو! اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم میں آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو" (التوبہ 9، 35-34)

دوسری وجہ :حرام غذا راندہ درگاہ بناتی ہے۔

قرآن وسنت کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ جو شخص حرام اور مشتبہ غذاؤں سے اپنا پیٹ بھرتا ہے اس کو کبھی صحیح اور مخلصانہ عبادت کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ عبادت کی حلاوت اور عمل صالح کی توفیق کے لئے ظاہر وباطن کی پاکیزگی ناگزیر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی آسمانی کتاب میں ایک جنبی ناپاک انسان کو اپنے پاک گھر مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی ہے اور بغیر وضو کے اپنی پاک کتاب قرآن مجید چھونے کو پسند نہیں کیا قرآن کا ارشاد ہے: کسی جنبی کیلئے جائز نہیں کہ وہ غسل کیے بغیر مسجد میں داخل ہو الا یہ کہ وہ مجبوراً راستہ عبور کر رہا ہو۔ (النسا 43)

بے وضو قرآن پاک کو ہاتھ لگانے کے بارے میں سورۃ واقعہ میں ارشاد ربانی ہے:

"قرآن پاک کو وهی چهو سکتے هیں جو پاک هیں۔"

ظاہر ہے کہ جنابت سے ہونا بھی ایک مباح اور جائز کام ہے اور بے وضو ہونا بھی مباح اور جائز ہے لیکن ایک مباح کام کی وجہ سے آدمی اگر ظاہری طور پر پاک نہ ہو تو اس کے لئے خدا کے پاک گھر مسجد میں قدم رکھنے کی ممانعت ہے اور قرآن پاک کو ہاتھ لگانا ناپسندیدہ ہے تو جو شخص حرام اور مشتبہ چیزوں سے پیٹ بھر رہا ہو اور جسم وجان کی پرورش کر رہا ہو تو ایسا شخص ربّ کے حضور کھڑے ہونے کی توفیق کیسے پا سکتا ہے اور ربّ کی عبادت وذکر کی حلاوت سے کیسے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

تیسری وجہ :حرام غذا نیکی سے محرومی

حرام اور مشتبہ غذا سے پیٹ بھرنے والا عمل صالح سے محروم رہتا ہے اس کے جو کام بظاہر نیکی یا عبادت کے کام معلوم ہوتے ہیں وہ بھی حقیقت میں نیک اعمال نہیں ہوتے ۔وہ خدا کی عبادت اگر کرتا نظر بھی آتا ہے تو اللہ کی نظر میں وہ عبادت کے کام نہیں ہوتے اس کی تمام محنت ومشقت اور کوشش وکاوش اور نیک اعمال اور عبادات اور نفل ضائع ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنی محنت اور وقت عزیز کے لگانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔وہ اپنے زعم میں نیک کام اور اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر خدا کی نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور اس کی محنت اور ریاضت رائیگاں جاتی ہے ۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: کتنے ہی شب بیداری کرنے والے ہیں جن کو ان کے قیام اور شب بیداری سے رت جگے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی روزے دار ہیں جن کو ان کے روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

دراصل عبادات کا مقصود انسان کا تزکیہ نفس ،اصلاحِ باطن اور سیرت کی پاکیزگی ہے عبادات میں اگر یہ مقصود ہی پیش نظر نہ رہے اور آدمی خدا کے خوف سے بے نیاز حرام اور مشتبہ سے پرہیز ہی نہ کرے تو ایسا شخص خدا کی عبادت اور نیک عمل سے محروم رہتا ہے ۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: اللہ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے شکم میں حرام غذا ہو۔

حرام اور مشتبہ غذاؤں سے اپنے شکم کی حفاظت کرنے کے یہ تین وجوہ جو علمائے حق نے قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کئے ہیں اس لائق ہیں کہ ان کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا جائے اور کسی لمحے میں اس معاملے میں لاپرواہی ،تساہل اور بے توجہی سے کام نہ لیا جائے ۔کیا کوئی ذی شعور مومن بقائمی ہوش وحواس برداشت کرسکتا ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرے، وہ بندگی رب کی توفیق وحلاوت سے محروم ہو جائے اور نیک کام کرنے سے محرومی اس کا مقدر بن جائے۔

محبت

(واصف علی واصف)

جوذات شکمِ مادر میں بچے کی صورت گری کرتی ہے، وہی ذات خیال اور احساس کی صورت گر بھی ہے۔ پیدا فرمانے والے نے چہروں کو تاثر دینے والا بنایا اور قلوب کو تاثیر قبول کرنے والا۔ ہر چہرہ ایک رینج (Range) میں تاثر رکھتا ہے اور اسکے باہر وہ تاثیر نہیں ہوتی۔ دائرہ تاثیر صدیوں اور زمانوں پر بھی محیط ہوسکتا ہے۔ یہ خالق کے اپنے کام ہیں۔ آنکھوں کی بینائی عطا فرمانے والا نظاروں کو رعنائی عطا فرماتا ہے۔ وہ خود ہی دل پیدا فرماتا ہے، خود ہی دلبر پیدا فرماتا ہے اور خود ہی دلبری کا خالق ہے بلکہ وہ خود ہی سرِّ دلبراں ہے۔

محبت کوشش یا محنت سے حاصل نہیں ہوتی، یہ عطا ہے، یہ نصیب ہے بلکہ یہ بڑے ہی نصیب کی بات ہے۔ زمین کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہے۔ محبت کی تعریف مشکل ہے۔ اس پر کتابیں لکھی گئیں، افسانے رقم ہوئے، شعراء نے محبت کے قصیدے لکھے، مرثیے لکھے، محبت کی کیفیات کا ذکر ہوا، وضاحتیں ہوئیں لیکن محبت کی جامع تعریف نہ ہو سکی۔

محبت سے آشنا ہونے والا انسان، ہر طرف حُسن ہی حُسن دیکھتا ہے۔ اس کی زندگی نثر سے نکل کر شعر میں داخل ہو جاتی ہے۔ اندیشہ ہائے سود و زیاں سے نکل کر انسان جلوۂ جاناں میں گم ہو جاتا ہے۔ اس کی تنہائی میں میلے ہوتے ہیں۔ وہ ہنستا ہے بے سبب، روتا ہے بے جواز، محبت کی کائنات جلوۂ محبوب کے سوا کچھ اور نہیں۔

محبوب کا چہرہ، محبّ کے لئے کعبہ بن کے رہ جاتا ہے۔ محبت انسان کو زمان و مکاں کی ظاہری قیود سے آزاد کرا دیتی ہے۔ محبت میں داخل ہونے والا ہر داستانِ الفت کو کم و بیش اپنا ہی

قصہ سمجھتا ہے۔ وہ اپنے غم کا عکس دوسروں کے افسانوں میں محسوس کرتا ہے۔
محبت وحدت سے کثرت اور کثرت سے وحدت کا سفر طے کراتی ہے۔محبت آسمانوں کی بے کراں وسعتوں کو ایک جست میں طے کرسکتی ہے۔محبت قطرے کو قلزم آشنا کردیتی ہے۔محبت زمین پر پاؤں رکھے تو آسمانوں سے آہٹ سنائی دیتی ہے۔محبت کرنے والے کسی اور مٹی سے بنے ہوتے ہیں۔یہ خلوص کے پیکر دنیا میں رہ کر بھی الگ ہوتے ہیں دراصل محبت زندگی اور کائنات کی انوکھی تشریح ہے۔یہ قرآنِ فطرت کی الگ تفسیر ہے۔یہ حیات ومرگ کے مخفی رموز کی جداگانہ آگہی ہے۔
محبت میں دھڑکنے والے دل کے ساتھ کائنات کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں۔محبّ اور محبوب کا قرب موسموں کو خوشگوار بنادیتا ہے۔محبوب کی جدائی سے بہاریں روٹھ جاتی ہیں۔محبوب کا فراق بینائی چھین لیتا ہے اور محبوب کی قمیص کی خوشبو سے بینائی لوٹ آتی ہے۔یہ بڑا راز ہے۔یہ انوکھا عمل ہے۔اس زندگی میں ایک اور زندگی ہے۔اسی کائنات میں ایک اور کائنات ہے۔محبت ہو تو انسان کو اپنے وجود ہی میں کائنات کی وسعتوں اور رنگینیوں سے آشنائی ہوتی ہے۔اسے خوشبوؤں سے تعارف نصیب ہوتا ہے۔ اسے آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔وہ دھڑکنوں سے آشنا ہوتا ہے۔اُسے نالۂ نیم شب کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ محبت کرنے والا اپنی ہستی کے نئے معنی تلاش کرتا ہے۔وہ باطنی سفر پر گامزن ہوتا ہے۔
زندگی کے تپتے ہوئے ریگزار میں محبت گویا ایک نخلستان سے کم نہیں۔محبت کے سامنے ناممکن ومحال کچھ نہیں۔محبت پھیلے تو پوری کائنات،اور سمٹے تو ایک قطرۂ خوں۔

درحقیقت محبت، آرزوئے قربِ حُسن کا نام ہے۔ہم ہمہ وقت جس کے قریب رہنا چاہتے ہیں، وہی محبوب ہے۔محبوب ہر حال میں حسیں ہوتا ہے کیونکہ حسن تو دیکھنے والے کا اپنا اندازِ نظر ہے۔ہم جس ذات کی بقاء کیلئے اپنی ذات کی فناء تک بھی گوارا کرتے ہیں، وہی محبوب ہے۔ محبّ کو محبوب میں کجی یا خامی نظر نہیں آتی۔اگر نظر آئے بھی تو محسوس نہیں ہوتی۔ محسوس ہو بھی تو ناگوار نہیں گزرتی۔محبوب کی ہر ادا دلبری ہے، یہاں تک کہ اس کا ستم بھی کرم ہے۔

اس ی وفا بھی پُر لطف اور جفا بھی پُر کشش۔ محبوب کی جفا کسی محبّ کو ترکِ وفا پر مجبور نہیں کرتی۔ محبوب کی راہ میں انسان معذوری و مجبوری کا اظہار نہیں کرتا۔ محبوب کی پسند و ناپسند محبّ کی پسند و ناپسند بن کے رہ جاتی ہے محبت کرنے والے جدائی کے علاوہ کسی اور قیامت کے قائل نہیں ہوتے۔ محبت اشتہائے نفس اور تسکینِ وجود کا نام نہیں۔ اہلِ ہوس کی سائیکی (Psyche) اور ہے اور اہلِ دل کا اندازِ فکر اور۔ عقیدوں اور نظریات سے محبت نہیں ہو سکتی۔ محبت انسان سے ہوتی ہے۔ اگر پیغمبر ﷺ سے محبت نہ ہو تو اللہ سے محبت یا اسلام سے محبت نہیں ہو سکتی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجاز کیا ہے اور حقیقت کیا ہے؟ دراصل مجاز بذاتِ خود ایک حقیقت ہے اور یہ حقیقت اس وقت تک مجاز کہلاتی ہے، جب تک رقیب ناگوار ہو۔ جس محبت میں رقیب قریب اور ہم سفر ہو، وہ عشق حقیقی ہے۔ اپنا عشق، اپنا محبوب اپنے تک ہی محدود رکھا جائے تو مجاز، اور اگر اپنی محبت میں کائنات کو شریک کرنے کی خواہش ہو تو حقیقت۔ رانجھے کا عشق مجاز ہو سکتا ہے، لیکن وارث شاہ کا عشق حقیقت ہے۔ عشق حقیقی، عشقِ نورِ حقیقت ہے۔ یہ نور، جہاں سے بھی عیاں ہوگا، عاشق کیلئے محبوب ہوگا۔ عشقِ نبی ﷺ عشقِ حقیقی ہے۔ عشقِ آلِ نبی ﷺ عشقِ حقیقی ہے۔ عشقِ اصحابِ نبی ﷺ عشقِ حقیقی ہے۔ عشقِ جامیؒ عشقِ حقیقی ہے۔ اویس قرنیؓ کا عشق حقیقی ہے۔ عشقِ رومیؒ عشقِ حقیقی ہے بلکہ اقبالؒ کا عشق بھی عشقِ حقیقی ہی کہلائیگا۔ اگر قطرۂ شبنم واصلِ قلزم ہوا اور آنسو بھی سمندر سے واصل ہو تو شبنم اور آنسو کا عشق بھی عشقِ قلزم یا عشقِ حقیقی کہلائیگا۔ پیرِ کامل کا عشق، عشقِ نبی ہی کہلائیگا۔ حضور ﷺ کو نورِ خدا کہا جاتا ہے اور ولی چونکہ مظہرِ عشقِ نبی ہوتا ہے اسے مظہرِ نبی یا مظہرِ نورِ خدا ہی کہا جا سکتا ہے۔ پیرِ کامل کو عشق میں صورتِ ظلِ الٰہ کہنا جائز ہے۔ عشقِ مجازی کو بہ وسیلہ شیخِ کامل، عشقِ حقیقی بننے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

ہر انسان کے ساتھ محبت الگ تاثیر رکھتی ہے۔جس طرح ہر انسان کا چہرہ الگ، مزاج الگ، دل الگ، پسند ناپسند الگ، قسمت نصیب الگ، اسی طرح ہر انسان کا محبت میں رویہ الگ۔ کہیں محبت کے دم سے تخت حاصل کیے جا رہے ہیں۔ کہیں تخت چھوڑے جا رہے ہیں۔ کہیں دولت کمائی جا رہی ہے۔ کہیں دولت لٹائی جا رہی ہے۔محبت کرنے والے کبھی شہروں میں ویرانے پیدا کرتے ہیں، کبھی ویرانوں میں شہر آباد کر جاتے ہیں۔دو انسانوں کی محبت یکساں نہیں ہو سکتی۔دراصل محبت ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان اپنی اصلی شکل، باطنی شکل، حقیقی شکل دیکھتا ہے۔محبت ہی قدرت کا سب سے بڑا کرشمہ ہے۔"جس تن لاگے سو تن جانے." محبت ہی کے ذریعے انسان پر زندگی کے معنی منکشف ہوتے ہیں۔کائنات کا حُسن اسی آئینے میں نظر آتا ہے۔

آج کا انسان محبت سے دُور ہوتا جا رہا ہے۔آج کا انسان ہر قدم پر ایک دورا ہے سے دوچار ہوتا ہے۔ مشینوں نے انسان سے محبت چھین لی ہے۔آج کے انسان کے پاس وقت نہیں، کہ وہ نکلے اور ڈوبنے والے سورج کا منظر تک بھی دیکھ سکے۔وہ چاندنی راتوں کے حسن سے نا آشنا ہو کر رہ گیا ہے۔آج کا انسان دور کے سیٹلائٹ سے پیغام وصول کرنے میں مصروف ہے۔وہ قریب سے گزرنے والے چہرے کے پیغام کو وصول نہیں کر سکتا، انسان محبت کی سائنس سمجھنا چاہتا ہے اور یہ ممکن نہیں۔زندگی صرف نیوٹن ہی نہیں، زندگی ملٹن بھی ہے۔زندگی صرف حاصل ہی نہیں ایثار بھی ہے۔ہرن کا گوشت الگ حقیقت ہے، چشمِ آہو الگ مقام ہے۔زندگی کارخانوں کی آواز ہی نہیں، احساسِ پرواز بھی ہے۔زندگی صرف "میں" نہیں زندگی "وہ" بھی ہے، "تو" بھی ہے زندگی میں صرف مشینیں ہی نہیں، چہرے بھی ہیں، متلاشی نگاہیں بھی۔زندگی مادہ ہی نہیں، روح بھی ہے اور سب سے بڑی بات زندگی خود ہی معراجِ محبت ہے۔

ہماری دعوتی ذمہ داریاں اور اس کے تقاضے

(خالد محمود)

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔(الذّٰریٰت آیت 55)
(اے نبیؐ! یاددہانی کرائیے یاددہانی کرانا اہل ایمان کو نفع دیتا ہے)
فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (اے نبیؐ! تذکرہ کیجئے، یاددہانی کرائیے یاددہانی کرانا نفع دیتا ہے)
سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۔ (اس نصیحت کا فائدہ اٹھائیگا وہ جس کے دل میں کچھ خدا خوفی ہے)

عمل کی ترغیب دلانے کیلئے نیک باتیں بار بار دھرانا پڑتی ہیں اور نصیحت یاددہانی مستقل طور پر جاری رہنی چاہیے۔ اصلاح اور نیکی کی باتیں جو بھول کا شکار ہو چکی ہوں یا ان پر غفلت کے پردے آ چکے ہوں ان کو دوبارہ تازہ کرتے رہنا چاہیے بالخصوص اس فریضہ کی یاددہانی جسکی ادائیگی کے بغیر نجات ممکن نہیں، اس فریضہ کی یاددھانی، جسکی ادائیگی کے بغیر اللہ تعالیٰ ہم سے راضی نہیں ہو سکتے۔ وہ ہے دعوت وتبلیغ واصلاح کا کام، امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔اسی پر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت ،اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی کا انحصار ہے یہ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملانے کا عظیم اور اعلیٰ کام ہے۔اس عظیم مقدس فریضہ کی انجام دہی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مدد قرار دیا گیا ہے۔یہ کام امت مسلمہ پر دائمی فریضہ ہے۔جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر ہوتا رہنا ضروری ہے آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے اور غیر مسلموں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان بنانا ہے۔

تذکیر اور یاددہانی سے اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کی دھن میں لگ جائیں اور دعوت کے کام کو شعوری سطح پر بھی ہم اسے قبول کریں ۔اپنے اپنے حلقوں میں ہر وقت اس فرض کا احساس بیدار کرتے رہیں ۔اس کیلئے علاقائی اجتماع اور باہمی میل ملاقات کا

اہتمام والتزام کیا جائے۔ گویا ہر وقت ہر لحہ ہر حال میں داعی پر دعوت کی دھن سوار رہے اپنے دوست احباب عزیز واقارب کی محفل میں حکمت اور سنجیدگی سے دین کی دعوت رکھیں۔یہ ہماری حقیر کوشش ہوگی جس کے ہم مکلف ہیں باقی اللہ ہی اسباب پیدا فرمائیگا اصلاح کے کام کا راستہ کھولےگا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حم السجدہ-33).

"اوراس سے بہتر کس کی بات ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل بھی نیک کرے اور کہے کہ میں یقیناً فرمانبرداروں میں سے ہوں."

یہاں اللہ تعالی نے ایک باعمل مسلمان کی دعوت الی اللہ کے ضمن میں کی جانے والی بات کی توصیف فرمائی ہے کہ اس سے اچھی اوراحسن بھلائی اور کیا ہوسکتی ہے۔یہ تو ایک فرد کا معاملہ ہوا۔ اورجب کوئی جماعت اجتماعی طورپر اس مبارک کام پر لگ جاتی ہے تو اس کے لئے فرمان ہوتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِا اللّٰهِ۔ (آلِ عمران 110

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو تم لوگ نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر کامل یقین رکھتے ہو۔

ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے کہ ہم نیکی کی دعوت دیں اور بدی سے روکنے کی کوشش کرتے رہیں۔ جو ہدایت قرآن وسنت کی روشنی میں موجود ہے اسے انسانیت تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے جو حضورﷺ کی تیئس برس کی سنت ہے۔ دعوت کا اوّلین میدان پہلا ہدف ہمارا اپنا گھر ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ کوئی کام جس قدر عظیم اورارفع ہوتا ہے اس کی ذمہ داری بھی اسی قدر اہم اور عظیم ہوتی ہے۔ تاریخ میں کبھی بھی ایسا دور نہیں آیا جب انسانوں کی اصلاح کے کام کی ضرورت باقی نہ رہی ہو۔ انسانیت سازی اور آدم گری کا یہ اہم ترین اصلاح کا کام کسی بھی سطح پر کماحقہ نہیں ہورہا۔اس کام کو

معمولی کام نہ سمجھیں یہ بہت بڑا کام ہے۔سلسلہ توحیدیہ کا مشن روحانی بزرگ اور مبلغین تیار کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکی مخلوق کے پیار سے سرشار اور انسانیت کی اصلاح وفلاح کی خاطر اپنے مال اور جانیں نثار کرنے والے ہوں اس لئے اپنے آپ کو پہچانیں اور اپنے مشن کی اہمیت کو جانیں اور اصلاح اُمت کے عظیم کام میں اپنی جانیں گھلا دیں۔ سستی اور کاہلی چھوڑ کر کام کرنا اور کام کرتے رہنا سیکھیں اللہ اور اسکے رسول کی سچی محبت کا جنون ہمارے لئے سرمایہ دانش ہو۔بقائے ملت کیلئے جان ومال قربان کرنا اپنی زندگی کا مقصد جانیں۔ ہرطرف سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف کرلیں۔

ہم اپنے قول وعمل وکردار بتقریر وتحریر سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو منزل مقصود تک پہنچانے کیلئے چراغ راہ بنیں۔ ہماری منصبی ذمہ داری بھی قرآن کے نزدیک یہی ہے کہ ہم معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں اپنی توانائیاں، صلاحیت، حیثیت اور وسائل کے مطابق یہ کام انجام دیں۔ دنیا والوں کو جینا ہوگا اور مقاصد کیلئے لیکن ہمارے جینے کا مقصد یہ ہے کہ ہم انسانیت تک اللہ کے پیغام کو پہنچائیں۔ ہمیں ان کی ہدایت وراہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔یہ دعوت کسی ایسے فلسفہ حیات کی طرف نہیں ہے جو کسی انسان کی عقل نے تراشا ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف ہے جو ازلی وابدی اور غیر متبدل حقائق پر استوار ہے۔ یہ زرپرستی، ذخیرہ اندوزی، انسان دشمنی اور ہوا وہوس کی دلدلوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کو اکرام انسانیت، فلاحِ آدمیت اور عالمگیر محبت کی پُرنور فضاؤں میں آجانے کی پکار ہے۔یہ وہ کام جو انسانیت کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں **بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً** کے الفاظ کے ساتھ یہ ذمہ داری اُمت کو منتقل فرمادی۔یہ عظیم ذمہ داری ہم سے تقاضہ کرتی ہے کہ ہم شعوری طور پر اسکی ادائیگی کیلئے کمربستہ ہوں لیکن مقام افسوس ہے کہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمیں نہ تو ذمہ داری کا شعور ہے اور نہ ہی مسئولیت کا احساس۔دین سے نسبت رکھنے والوں کی بہت بڑی تعداد شعور اور ادراک کی

وسعتوں اور گہرائیوں سے لابلد ہے۔اس انتظار میں نہیں رہنا چاہیے کہ جب خود کامل ہو جائیں گے تو پھر اصلاح کیلئے نکلیں گے یہ نفس کا صریح دھوکہ ہے۔جس فرد کی اتنی بھی صلاحیت ہے کہ وہ ایک آیت کسی کو بتا سکتا ہے وہ اس دعوت کے فرض سے خالی نہیں اس ذمہ داری سے باہر نہیں۔

دراصل ہر چیز اس وقت تک قعت کے ساتھ باقی رہتی ہے جب تک وہ اپنے وجود کا مقصد پورا کرتی رہے گی دنیا میں عزت و سربلندی پاتی رہے گی اُمت جب بھی اس کام سے غفلت برتے گی اور اسکے شعور سے محروم ہو کر اس پر عمل چھوڑ بیٹھے تو اس کا انجام نہایت بھیانک ہو گا اور امت اللہ اور بندوں کی نظر میں بے وزن ہو جائیگی اور آہستہ آہستہ دین متین کمزور اور نامانوس ہو جائیگا۔یاد رکھیں! اگر قوم دین پر عمل کرتی ہے تو وہ دین زندہ رہتا ہے اور جو قوم دین پر عمل پیرا ہے تو دین اس قوم کو زندہ قوم بنا دیتا ہے۔

اللہ کی نظر انتخاب ہم پر پڑی اور یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے قبول کیا۔اگر ہم نے اس ذمہ داری سے منہ موڑا تو اللہ کسی اور قوم کو لے آئیگا جو اللہ سے محبت کریگی اور اللہ کی رضا ان کا مقصود ہو گا۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ کے دین کیلئے تن من دھن لگا دیں۔اپنی صلاحیت و قوت کو بروئے کار لائیں اور دین یا سلسلہ کے کاموں کو دنیا کے کاموں پر ترجیح دیں۔آج ہم توحید کی دعوت محض الفاظ کے ذریعے پیش کر رہے ہیں اعمال و کردار کے ذریعے سے نہیں۔ایک توحیدی اور داعی کے کردار میں تڑپ لگن، دھن بے لوث خدمت، تواضع وانکساری پاکیزگی کردار اور خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار، اجر سے بے نیاز ہونا ضروری ہے۔ جتنی بڑی دعوت یا بات ہوگی اتنا ہی کردار پیدا کرنا ہوگا۔گفتار اور کردار کی ہم آہنگی نہ ہوگی تو بات دل میں اثر نہیں کرے گی بلکہ کردار ہی بات میں تاثیر کا اصل سرچشمہ ہے۔ کردار نہ صرف راہنما بن جاتا ہے بلکہ خاموش دعوت بھی ہوتا ہے۔

مُلّا کی شریعت میں فقط مستیِ اقوال صوفی کی طریقت میں فقط مستیِ احوال
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیِ کردار

پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے

کردار بے سوز، گفتار واہی

اے لا الٰہ کے وارث! باقی نہیں تجھ میں

گفتار دلبرانہ کردار قاہرانہ (اقبالؒ)

مومن آدمی جو کہتا ہے اس پر عمل کرتا ہے جو بیان کرتا ہے اسکو اپنے وجود پر پہلے نافذ کرتا ہے۔ بے کردار آدمی کے اندر الفاظ میں تاثیر نکل جاتی ہے۔ ہر داعی کو یہ بات سوچنا چاہیے کہ میری دعوت میں اثر ہو۔ یہ نہ ہو کہ اسکی بے عملی کی وجہ سے دعوت لوگوں کیلئے بے وزن مضحکہ نہ بن جائے اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوگی آپ جس خیر کی طرف دنیا کو بلا رہے ہیں خود آپ اس سے محروم رہ جائیں۔ ہماری بات ہمارے عمل سے جدا نہ ہو، کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی دعوت کے ترجمان نہ ہوں۔ اپنے نصب العین کو اوڑھنا بچھونا بلکہ اس سے بڑھ کر اپنے نصب العین کو چاہا جائے۔ اخلاص، یکسوئی، اور تسلسل کے ساتھ اپنی توانائیوں صلاحیتوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں کام کرتے رہیں۔ مومن کا کام لگاتار جد وجہد کرنا ہے۔ اسکی فکر نہ کرے کہ اسکی جد وجہد کب منزل مقصود پر پہنچے آپکو کوششوں کو بار آور کرنا ہے۔ بہترین ثمرات اور نتائج بر آمد کرنا یہ اللہ کا کام ہے اس راہ میں جان و مال سے لگے رہنا اور لگے لگے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کرنا ہی اصل کامیابی ہے۔

اُمت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی، خون کے آنسو رلانے والی مظلومیت و بے بسی اور عبرتناک پستی خیر اُمت کے ہر ہر فرد کی غیرت کو للکار رہی ہے کہ وہ اٹھے اور اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہے ہر طرف آواز گونج رہی ہے: **مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللہ"**

اُٹھیے اور **نحنُ انصار اللہ** کہتے ہوئے آگے بڑھیے اور اپنے رب سے انعام و اکرام پانے اور اس کے قرب کا مقام امتیاز حاصل کرنے کیلئے دوڑیئے یہ اس عظیم و رحیم ہستی کا وعدہ ہے۔ یہ جاگنے اور کچھ کرنے کا وقت ہے اور جو اس وقت بھی نہ جاگا اور مہلت کی ان گرانقدر گھڑیوں کو بھی کھو دیا اس کے حصے میں رنج و غم اور پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

قلبی رابطے

از:۔ڈاکٹر نعیم اقبال (برسٹل۔برطانیہ)

ترجمہ: سید رحمت اللہ توحیدی۔

خدا کا عرفان دو طرح سے ہوتا ہے۔ایک توجیہہ سے اور دوسرا دل (قلب) کے ذریعے۔ جہاں تک توجیہہ سے خدا کے عرفان کا تعلق ہے۔یہ ہمیشہ سے متنازعہ رہا ہے۔اگر ایک مومن سے دریافت کیا جائے کہ "وہ خدا پر کیسے ایمان لاتا ہے؟" تو عام جواب یہی ہے کہ "زندگی اور کائنات کے نظام اور وجود کی وجہ سے" "یہ سب کچھ خود بخود کیسے وجود میں آسکتا ہے۔لہذا کوئی قوت ہے جس نے اسے بنایا ہے اور وہ خدا ہے۔"

اس کے برعکس دہریوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ محض زندگی اور کائنات کے وجود کے بارے میں ہماری معلومات کی محدود ہیں۔اپنی ذہنی صلاحیتوں کو خدا پر ایمان کی صورت میں گرانے کی بجائے ہمیں چاہیے کہ ہم اس چیلنج کا مقابلہ کرتے رہیں۔کائنات کا وجود خدا کا اتنا ہی انکار ہے جتنا کہ یہ ثبوت ہے۔دہریوں اور منکرین خدا کے نزدیک جب تک زندگی اور کائنات کی ابتداء اور وجود کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے اس وقت تک ایمان لانے والوں کو خدا پر ایمان لانے کا پورا حق حاصل ہے۔لہذا خدا کے وجود اور عدم وجود کی یہ بحث مکمل طور پر حل طلب رہتی ہے۔

قلب (دل) کے ذریعے خدا کا عرفان (تصوف کے راستے) خدا کو ماننے کی دلیل ہے۔ جس کے مطابق انسانی جسم کے اندر کچھ اور چیز ہے جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کو پہچانتی اور ممتاز کرتی ہے جو 'قلب' کہلاتی ہے۔عربی میں 'قلب' کے مختلف مطالب ہیں۔ سب سے عام مطلب 'دل' ہے۔قلب کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ چیز جو اپنی حالتیں بدلتی رہتی ہے۔ جیسے یہ پھیلتا اور سکڑتا ہے۔قلب یعنی دل محسوسات اور جذبات کے تمام تر معاملات کا منبع ہے۔ صوفیاء یقین رکھتے ہیں کہ اگر چہ کائنات اور زندگی میں خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں لیکن ان کے باوجود اسے ان نشانیوں سے ممتاز کرنے کے لیے قلب کی ضرورت ہے۔یہ قلب کیا ہے؟

اس قلب کے اصل مطلب کو سمجھنے کے لیے ہم مادی اشیاء کے عرفان سے شروع کرتے ہیں۔
کسی مادّی چیز کو تسلیم کرنے کے لیے اور اس کے خواص کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ہمیں اپنی خاص حسّوں کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ چھونے، دیکھنے، سننے، چکھنے، اور سونگھنے کی حسّیں ہیں۔ ان حسّوں میں سے ہر ایک کی بیشتر صورتیں ہیں۔
ذہنی خلیوں کے سروں پر ان حسّوں کے خاص تحریک کے وصول کنندہ واقع ہوتے ہیں۔ جو ایک خاص حِس کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ تحریک ان عصبی خلیوں کے ذریعے ذہن تک لائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر آنکھ کے ریٹینا (RETINA) پر بصریات کے وصول کنندہ ہوتے ہیں جو روشنی اور تصاویر کو محسوس کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ انہیں کی طرح کان میں سماعت کے وصول کنندہ (RECPTORS)، زبان پر ذائقہ کے وصول کنندہ، ناک میں سونگھنے کے وصول کنندہ اور اسی طرح سے چھونے، درد، درجہ حرارت، ارتعاش اور دباؤ کے وصول کنندہ ہماری جلد اور جسم میں ہر طرف موجود ہیں۔ یہ وصول کنندہ مخصوص ساخت کے ہوتے ہیں اور اعصاب کے سروں پر واقع ہوتے ہیں۔ اعصاب ان وصول کنندہ سے موصول ہونے والی تحریک کو دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ ان وصول کنندہ سے معلومات اعصاب کی حفاظت میں دماغ کے ایک مخصوص حساس حصہ تک پہنچائی جاتی ہے۔ جہاں مختلف حسّوں سے تمام تر معلومات کا حساب لگایا جاتا ہے اور ایک عمل تجویز کیا جاتا ہے جسے دماغ کے تحریک دینے والے حصے کو منتقل کر دیا جاتا ہے۔ جو اپنی باری آنے پر تحریک دینے والے اعصاب کے پیغامات کا اطلاق ہمارے جسم کے مختلف حصوں کے ذریعے کراتے ہیں۔ دماغ کے افعال کا یہ بیان ضرورت سے زیادہ سادہ انداز میں بتایا گیا ہے۔
اعصابی نظام کی ترکیب احساسات اور جذبات کے نقطۂ آغاز کے بیان میں ناقص محض ہے۔ بلاشبہ اعصابی نظام کے ساتھ ساتھ ایک اور نظام کارفرما ہے جو مادی اشیاء سے رابطہ سے لے کر ایک مرکز جسے 'قلب' کہتے ہیں میں احساسات و جذبات پیدا ہونے تک کام کرتا ہے جو کہ اعصابی نظام سے بھی متصل ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم پھول کی پتی کو چھوتے ہیں تو طبعی خواص اور

اوصاف سے متعلق تحریک انگلی پر موجود وصول کنندگان (RECEIPTORS) سے محسوس کی جاتی ہے لیکن اسی دوران پھول کی پتی کی بناوٹ کی لطافت، دل کے وصول کنندگان جو انگلی کے کودہ میں ہیں، ان سے محسوس کی جاتی ہے جسے قلب پر وارد کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے طبعی خواص کو اعصاب کے ذریعے دماغ میں حسیات کے مرکز تک لایا جاتا ہے۔ قلب نہ صرف مادی اشیاء کی لطافت کو محسوس کرتا ہے بلکہ یہ غائب یا نظر نہ آنے والی اشیاء کو محسوس کرنے کے وصول کنندہ کا بھی حامل ہوتا ہے۔ یہ نظر نہ آنے والی قوت کے اوصاف یعنی خدا، جو لطیف بھی ہے، کو بھی محسوس کر سکتا ہے، یہ نظر نہ آنے والی اور مادی اشیاء کے لطافتی خواص کو محسوس کرنے کا متوازی نظام اور روح، ہے، جس میں قلب مرکز ہے اس لئے یہ جذبات اور تصوف کا مسکن ہے۔ ذہن کے تجویز کردہ تمام افعال جذبات سے متاثر ہوتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ وہ قلب سے متاثر ہوتے ہیں۔

اب صوفیاء کے نقطۂ نظر کو مدنظر رکھتے ہیں جو قلب کے ذریعے خدا کے عرفان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اسی نقطہ نظر کی قرآنِ پاک میں دلیل ملتی ہے۔ ''بے شک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں قلوب اندھے ہوتے ہیں۔'' (سورۃ الحج۔ 47)

اسی طرح ارشاد ربانی ہے۔

''اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟) تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے۔ وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔ اور پھر کے ان جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے، جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے

جسے چاہتا ہی اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔"

(سورۃ زمر 22-23)

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ قلب ہی وہ جگہ ہے جہاں خدا کے اوصاف کی معلومات محسوس ہوتی ہیں اور یہ قلب ہی ہے جو خدا سے راہنمائی لیتا ہے۔ یہ راہنمائی خدا کے نور کے ذریعے ہے جو کہ خدا اور قلب کے درمیان رابطہ ہے۔ قلب پر وصول کنندہ موجود ہیں جو اس نور کو رابطہ کے ذریعے بیرونی دنیا کے محسوسات وصول کرتا ہے اور دوسری طرف خدا کا عرفان اس نور کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ بیرونی دنیا سے حاصل کردہ محسوسات دو طرح کے ہیں۔ دباؤ اور دنیوی خوشیاں عموماً یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ دنیوی خوشیاں بالآخر دباؤ پر ختم ہوتی ہیں جبکہ خدا کے نور سے خدا سے اخذ کیے گئے احساسات بیان سے کہیں زیادہ مستحکم ہوتے ہیں۔

"پھر جن لوگوں نے دعوتِ حق کو مانا اور نیک عمل کیے وہ خوش نصیب ہیں۔ اوان کے لیے اچھا انجام ہے۔ (اے محمدؐ) اسی شان سے ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ایک ایسی قوم میں جس سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں۔ تا کہ تم ان لوگوں کو وہ پیغام سناؤ جو ہم نے تم پر نازل کیا اس حال میں کہ یہ اپنے نہایت مہربان خدا کے کافر بنے ہوئے ہیں۔ ان سے کہو کہ وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (سورۃ الرعد۔ 29-30)

یہ آیات اس خیال کو مضبوط کرتی ہیں کہ قلب کو صرف اس وقت مسرت ملتی ہے جب اسے اللہ کا نور ملتا ہے۔ کوئی اور چیز اسکی تسکین نہیں کر سکتی۔ قلب ایک طرف تو بیرونی دنیا سے اعصابی نظام کے ذریعے منسلک ہے تو دوسری طرف خدا سے، یہ روابط ایک ایسا نظام بناتے ہیں جس میں خدا، آدمی اور دنیا ایک دیکل سے باہم جڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکل تمام احساسات میں سے بہترین یعنی (محبت) کے حصول کی ہے۔ لیکن پورے نظام کی فعالیت کا دارومدار اس نظام کی مضبوطی پر ہے۔ جیسے اگر نظام کا کوئی جز خراب ہو جائے تو مجموعی طور پر نظام کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اسی چیز کا اطلاق قلب پر ہوتا ہے۔ خدا کے مناسب عرفان کے لیے

قلب اور خدا کے نور کے وصول کنندہ (RECEPTIORS) کا مناسب رابطہ ضروری ہے۔
جہاں تک قلب کی راستی یا گمراہی کا تعلق ہے تو خدا نے قرآن پاک میں لوگوں کی بیشتر اقسام بیان کی ہیں۔لوگوں کی ایک قسم کو درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

☆''ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے اُن کا نورِ بصارت سلب کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ یہ اب نہ پلٹیں گے۔''
(سورۃ البقرہ۔آیات 17-18)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلب کے وصول کنندہ مردہ ہیں جو اللہ کے نور کو حاصل نہیں کر سکتے۔
مختلف اوصاف کو محسوس کرنے والے وصول کنندہ کو آنکھوں اور کانوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔
ایسے لوگ رنگوں کے اندھے لوگوں کی طرح ہیں جنہیں رنگوں کا تصور دینے کے لیے کوئی صورت نہیں ہوتی۔اسی لیے ایسے لوگوں کو خدا کے بارے میں بتانا لاحاصل ہے جو اسے جاننے کے وصول کنندہ سے محروم ہوتے ہیں۔

لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جس کے دل ٹھیک نہیں ہیں۔جیسے
''ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے۔''

''مزید لوگوں کی ایک وہ قسم ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے مگر درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے۔وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔وہ کسی کو دھوکا نہیں دے رہے بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے۔ان کے لیے اس جھوٹ کے بدلے میں غم کا عذاب ہے۔''
(سورۃ البقرہ۔آیات 8-11)

وہ مریض دل والے لوگ ہیں۔یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مُہر زدہ دل والے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے جبکہ مریض دل والے لوگوں کے لیے غم کا عذاب ہے۔جب جسم کا کوئی حصہ

بیمار ہو جائے تو اس میں درد ہوتا ہے۔ جب قلب جو کہ جذبات کا مسکن ہے بیمار ہو جائے تو یہ غم کا موجب بنتا ہے۔ اللہ نے بیماری کی وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ اور وہ وجوہات بھی بیان ہیں اس کو بدترین حالت تک لے جاتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جھوٹ افترا کیا۔ ایک جھوٹ کیسے بیماری کا موجب بنتا ہے۔ جب ایک فرد جھوٹ بولتا ہے تو یہ اس کے دل کے کچھ وصول کنندہ کو مردہ کر دیتا ہے اس لیے خدا کے لیے اس کی نظر دھندلا جاتی ہے۔ جیسے ہی اس کا دل اللہ کے لیے اندھا ہو جاتا ہے تو وہ دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہذا جو برا عمل انسان کرتا ہے وہ اللہ کے نور کے لیے اس کے وصول کنندہ میں سے کچھ کو مار دیتا ہے جو منفی تاثرات یا محرومی کا موجب بنتا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار رہو۔ یقیناً وہ فساد کرتے ہیں لیکن وہ اسے نہیں جانتے۔

(سورۃ بقرہ۔ آیات 12-11)

یہ آیت وضاحت کرتی ہے کہ اپنے دباؤ اور محرومی کے ساتھ وہ زمین میں فساد پھیلانا شروع کرتے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایسا نہ کرو تو وہ انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ تو اصلاح کر رہے ہیں۔ اور جیسے ہی وہ دوبارہ جھوٹ بولتے ہیں تو یہ ان کی بیماری میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔ آخرکار برائیوں کا ایک بدترین سلسلہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک ان کے تمام وصول کنندہ مر نہیں جاتے پھر ایک نا قابل واپسی کا مرحلہ آ جاتا ہے جہاں قلب اور اللہ کے درمیان رابطے کے تمام ذرائع معدوم ہو جاتے ہیں۔ ان کا نفس، نفس امارہ بن جاتا ہے۔ وہ کسی بیرونی آفت کے بغیر ہی خوف اور محرومیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس

نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کرلی ہے اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔"
(سورۃ الکھف آیت 28)

اب صحت مند دل کا حال بیان کیا جاتا ہے جو اس سے پہلے کی آیات اور درج ذیل آیت میں کہا گیا ہے۔

"یہ اللہ کی کتاب ہے۔اس میں کوئی شک نہیں۔ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔نماز قائم کرتے ہیں۔اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے۔اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں۔اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں۔اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔" (سورۃ بقرہ)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کی طرف راستی پر قائم ہیں۔ان کا قلب وقلب سلیم، (مضبوط اور مکمل) اور ان کا نفس، نفسِ مطمئنہ (اطمینان یافتہ) بن جاتا ہے۔درحقیقت اس راستی کا دارومدار قلب کے ان زندہ وصول کنندہ کی تعداد پر ہے۔یہ وصول کنندہ چند مخصوص وجوہات کی بنا پر بڑھ (متحرک) سکتے ہیں یا کم ہو (مر) سکتے ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ ذکر سے بڑھتے یا زندہ ہوتے ہیں۔جیسا کہ اوپر لکھی گئی سورۃ الرعد کی آیات 30-29 میں بیان ہو چکا ہے۔اگر ایک شخص توبہ کرتا ہے اور سنجیدگی سے نیکیوں کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس سے اس کے وصول کنندگان کو توانائی ملتی ہے۔اس کا نفس، نفس لوامہ، بن جاتا ہے۔اگر وہ دوبارہ گناہوں میں گھر جاتا ہے تو اسکے وصول کنندہ مرنے لگتے ہیں اور اللہ کا نور دھندلا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اسکے دل کو غم والم ملتا ہے۔لوگوں کی اکثریت میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔وہ یا تو غم والم کا شکار ہیں یا خوش وخرم ہیں۔اس کا دارومدار ان کے قلب پر موجود زندہ یا مردہ وصول کنندہ پر ہوتا ہے۔کچھ لوگ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان میں رہتے ہیں۔

جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کرلیا ہے۔ان کا عمل مخلوط ہے۔ کچھ نیک ہیں اور کچھ بد۔بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہوجائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" (سورۃ التوبہ آیت 102)

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنے برے اعمال پر قائم نہیں رہتے۔ ان کے پاس راستی پر آجانے کا موقع موجود ہے۔جب ان میں وصول کنندہ بڑھتے ہیں تو یہ خدا کے نور کو محسوس کرنے کی استعداد کو بڑھادیتے ہیں۔نتیجہ کے طور پر دل کو سکون ملتا ہے۔

قرآن پاک میں آتا ہے کہ "لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کریں ان کے لیے راہنمائی اور رحمت ہے۔" (سورۃ یونس آیت 58)

جب زیادہ سے زیادہ وصول کنندہ زندہ ہوجاتے ہیں تو ایک مرحلہ آتا ہے کہ جب پورا قلب زندہ ہوجاتا ہے۔جسے قلبِ سلیم کہتے ہیں۔اور نفس، نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے۔اس صورتحال کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے ایمان لانے والو! اللہ اور اسکے رسولؐ کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسولؐ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔" (سورۃ الانفال آیت۔24)

اس آیت کے آخری جزو کی مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔جب تمام وصول کنندہ زندہ ہوجاتے ہیں اور قلب،قلبِ سلیم، بن جاتا ہے تو یہ بیرونی دنیا کے محرکات سے زیادہ متاثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا قلب کو اپنی تحویل میں لے لیتا ہے۔اس حقیقت کی دلیل میں یہ حدیث قدسی ہے کہ "میرا بندہ کثرت عبادت اور میری یاد سے میری قربت چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مجھے محبوب ہوجاتا ہے اور اس مثالی بہترین تعلق میں، میں اس کے کان بن جاتا ہوں

جن سے وہ سنتا ہے۔ میں اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اسکی زبان بن جاتا ہوں جسے سے وہ بولتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے۔ میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"

جب اللہ اور قلب کے درمیان یہ تعلق قائم ہوجاتا ہے اس وقت قلب کو کچھ پیغامات ملتے ہیں۔ یہ پیغامات زیادہ تر اللہ کی تین اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ پہلا خدا کا ایک ہونا یعنی وحدانیت، دوسرا خدا کی شان یعنی عظمت، تیسرا خدا کا حسن یعنی جمال۔

اس کی وحدانیت، کمال شان اور بہترین حسن کے مکمل ادراک کا اثر مجموعی طور پر ان اوصاف کی اس قدر تاثیر رکھتا ہے کہ قلب خدا سے شدید محبت میں گرفتار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب یہ اللہ سے محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اسکی دو صورتیں بنتی ہیں۔ جو کہ جڑنے اور الگ ہونے کی ہیں۔ جب قلب اللہ کے نور کو محسوس کر رہا ہوتا ہے اور اس کے حوالے ہوتا ہے تو یہ جڑنے کی کیفیت ہے۔ اسی طرح جب اللہ اپنا نور سلب کر لیتا ہے تو راستی پر قائم دل بے قرار ہوجاتا ہے اور دوبارہ جڑنے کی کاوش کرتا ہے۔(اس کو صوفیاء کے الفاظ میں قبض اور بسط کا نام دیا جاتا ہے۔) قلب کو ان دو حالتوں میں رکھنے کا مقصد محبت کی شدت میں اضافہ ہے۔ ہر مرتبہ جب وصال سے اتحاد ہوتا ہے تو اس سے خود بخود محبت بڑھتی جاتی ہے۔ ہر مرتبہ نیا مرحلہ زیادہ مضبوط محبت کا باعث بنتا ہے۔" حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں"(سورۃ بقرہ آیت 165)

محبت میں اگلا مرحلہ محبوب کی محبت کی تلاش ہے۔ لہذا قلب اپنے لیے اللہ کی محبت کی تگ و دو کرتا ہے۔ اللہ خود اپنی محبت کو حاصل کرنے کا طریقہ بتاتا ہے۔

"(اے نبیؐ) فرما دیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔"(سورۃ آل عمران۔ آیت 32)

اللہ نے پاک پیغمبرؐ کو اپنی محبت کے لیے بنایا اور انہیں بہترین اعمال (اسوہ حسنہ) سکھائے۔اس نے انہیں سب سے بہترین بنایا کیونکہ اس نے آپؐ سے محبت کی۔اب اگر کوئی خدا کی محبت چاہتا ہے تو وہ رسول اللہؐ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوتا ہے۔اللہ بھی اس فرد سے رسول اللہ کی پیروی اختیار کرنے کی وجہ سے محبت کرتا ہے۔انسان کے لیے خدا کی محبت کے احساسات ایسے مسحور کن نہیں کہ انسان اس کی زیادہ سے زیادہ محبت کے حصول کے لیے اپنی تمام تر کاوشیں قرآن اور سنت کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔اسے 'مجاہدہ' کہتے ہیں۔اللہ اپنے محبت کرنے والوں کو اپنے نفس کے خلاف لڑنے (جہاد اکبر) کی اور ان کے خلاف لڑنے کی تاکید کرتا ہے جو کہ اس نظام کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں جسے خدا قائم کرنا چاہتا ہے۔وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر پہلو پر قرآن وسنت کے قواعد کو نافذ کرے۔جب انسان آزمائش میں مطلوبہ معیار پر آجاتا ہے تو وہ محبت میں فاتح ہو جاتا ہے۔قطع نظر اس کے کہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے یا اپنی کاوش میں فنا ہو جاتا ہے۔

ملفوظات حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

(اقتباس از چراغ راہ)

"میں آپ کو محض تصوف سکھانا چاہتا ہوں اور انسان کامل بنانا چاہتا ہو۔میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ حقائق کو چھوڑ کر کوائف میں کھو جائیں۔دنیا کا کوئی کام نہ کریں۔توکل کی چادر اوڑھے شراب معرفت کے نشہ میں مست پڑے کرامتیں دکھایا کریں۔میں جس راستہ پر آپ کو چلانا چاہتا ہوں وہ بالکل ہمارے سرکار ابد قرار احمد مختار ﷺ کے نقش قدم پر جاتا ہے جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو اسکو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ملالو۔اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے آگاہ کر دو۔"

”جیسا سوال ویسا جواب“

(شاہانہ شمشاد توحیدی)

ایک بزرگ سے کسی کافر نے کہا۔اگر آپ میرے تین سوالوں کا جواب دیں گے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔بزرگ نے کہا، پوچھو،اس شخص نے کہا۔

میرا پہلا سوال یہ ہے کہ جب اللہ نظر نہیں آتا تو اسے کیوں کر مان لیا جائے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جبکہ شیطان آگ کا بنا ہوا ہے تو دوزخ کی آگ اس پر کس طرح اثر کرے گی؟

اور تیسرا سوال یہ ہے کہ جب ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے تو انسان کو اس کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟

بزرگ نے سن کر قریب ہی سے ایک مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر اس شخص کو مارا اور کہا یہ ہی تیرے تینوں سوالوں کا جواب ہے۔

اس شخص کو مٹی کے ڈھیلے کے لگنے سے چوٹ آئی اس نے قاضی کے پاس جا کر مقدمہ درج کر دیا۔قاضی نے بزرگ کو طلب کیا اور کہا کہ آپ نے اس کے سوالوں کے جواب دینے کی بجائے مٹی کا ڈھیلا کیوں مارا ؟بزرگ نے فرمایا۔یہی اس کے تینوں سوالوں کا جواب ہے جب میں نے اسے مٹی کا ڈھیلا مارا تو اس کو چوٹ لگی اور درد محسوس ہوا۔جبکہ درد اس کو نظر نہیں آیا تو اس نے درد کو کیوں مان لیا یہ ہی اس کے پہلے سوال کا جواب ہے کہ اللہ نظر نہیں آتا لیکن محسوس ہوتا ہے۔دوسرے سوال کا جواب یہ شخص خود مٹی کا بنا ہوا ہے تو پھر مٹی کے ڈھیلے نے اس پر اثر کیسے کیا۔ اسی طرح شیطان پر بھی دوزخ کی آگ اثر کرے گی۔تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب میں نے اس کو مٹی کا ڈھیلا اللہ کی مرضی اور حکم سے مارا تو اس نے میرے خلاف مقدمہ کیوں دائر کیا اور مجھے اس کا ذمہ دار کیوں ٹھہرایا۔یہ باتیں سن کر وہ شخص مسلمان ہو گیا۔

علم و عشق (علامہ اقبالؒ)

انتخاب: محمد قاسم توحیدی

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندہ تخمین و ظن ! کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور ، علم سراپا حجاب
عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات
علم مقام صفات ، عشق تماشائے ذات
عشق سکون وثبات ، عشق حیات و ممات
علم ہے پیدا سوال ، عشق ہے پنہاں جواب
عشق کے ہیں معجزات ، سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکان و مکین ! عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقین اور یقین فتح یاب
شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
شورش طوفاں حلال ، لذت ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال ، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب ، عشق ہے ام الکتاب

اس شمارے میں

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے انہیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
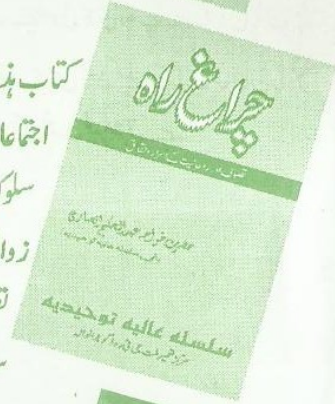
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مقصودِ حیات

مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

مقصودِ حیات

محمد صدیق ڈار توحیدی
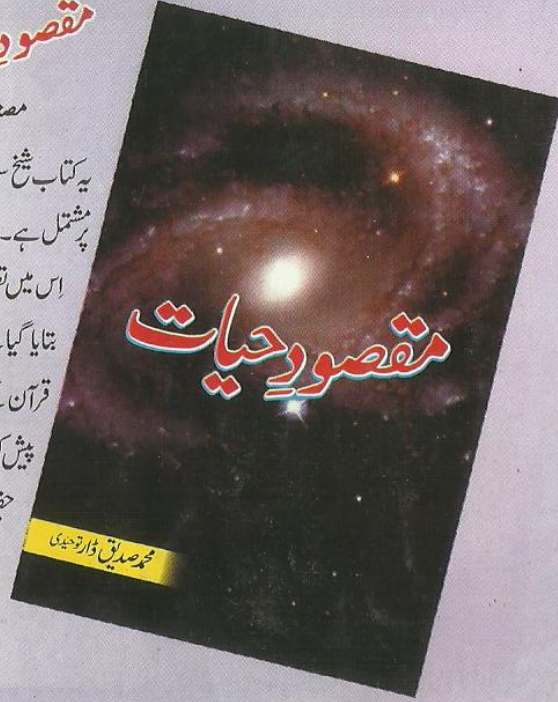
فرمودات فقیر

مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔
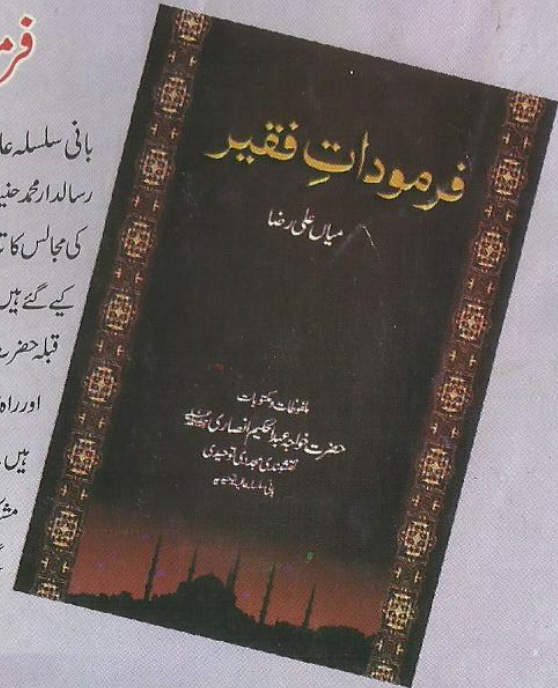
Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net